ماہنامہ

اشراق

لاہور

ستمبر ۲۰۱۵ء

زیرِ سرپرستی

جاوید احمد غامدی

"انسان کی تخلیق جس فطرت پر ہوئی ہے، اُس کی رو سے خاندان کا ادارہ اپنی اصلی خوبیوں کے ساتھ ایک ہی مرد و عورت میں رشتۂ نکاح سے قائم ہوتا ہے۔ انسان کی حیثیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی زندگی میں یہی چیز ملحوظ رکھی اور ایک بیوی کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح کا خیال نہیں کیا۔"

—— مقامات

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

المورد

فہرست

اس شمارے میں

اس شمارے میں	نعیم احمد	۴

قرآنیات

البیان: ابراہیم ۱۴: ۲۸-۵۲ (۳)	جاوید احمد غامدی	۵

معارف نبوی

نظم اجتماعی کے متعلق پانچ احکام	معز امجد / شاہد رضا	۱۳

دین و دانش

حج و عمرہ	جاوید احمد غامدی	۲۰
قربانی	جاوید احمد غامدی	۲۸

مقامات

ازواج مطہرات	جاوید احمد غامدی	۳۰

سیر و سوانح

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (۲)	محمد وسیم اختر مفتی	۳۵

نقطۂ نظر

بعد از موت (۸)	رضوان اللہ	۴۰
شہید کی تعریف	ڈاکٹر خالد ظہیر / رانا معظم صفدر	۴۵

ادبیات

غزل	جاوید احمد غامدی	۴۹

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نعیم احمد

''قرآنیات'' میں حسب روایت جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن ''البیان'' شائع کیا گیا ہے۔ یہ قسط سورۂ ابراہیم (۱۴) کی آیات ۲۸-۵۲ کے ترجمہ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ ان آیات میں قریش کو اپنی قوم کو ہلاکت کی طرف لے جانے پر سخت سرزنش کی گئی ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم بتایا ہے۔ قریش کے اس دعوے کی تردید کی گئی ہے جس میں وہ اپنے شرک کی دلیل یہ بتاتے کہ یہ دین ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وراثت میں ملا ہے۔ خاتمۂ سورہ کی آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور کفار کے لیے سخت دھمکی ہے۔

''معارف نبوی'' کے تحت شاہد رضا صاحب کے مضمون میں نظم اجتماعی کے متعلق پانچ چیزوں سمع، اطاعت، جہاد، ہجرت اور نظم اجتماعی سے وابستگی کا ذکر ہے۔ یہ معز امجد صاحب کے ایک انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ ہے۔

''دین و دانش'' میں جاوید احمد غامدی صاحب نے اپنے مضمون میں حج وعمرہ کا مقصد، اس کے ایام اور اس کے طریقے کو بیان کیا ہے۔ اسی کے تحت اپنے دوسرے مضمون میں قربانی کی تاریخ، قربانی کا مقصد اور قربانی کے قانون کو واضح کیا ہے۔

''مقامات'' میں جاوید احمد غامدی صاحب نے اپنے مضمون ''ازواج مطہرات'' میں بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اولین تین نکاح حیثیت بشری میں اور باقی آٹھ نکاح آپ نے ایک دینی ذمہ داری اور نبوت و رسالت کے منصبی تقاضوں سے کیے، بشری خواہشات سے اِس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

''سیر و سوانح'' کے تحت محمد وسیم اختر مفتی صاحب کے مضمون کے دوسرے حصے میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ اور حضرت عثمان سے اختلاف اور ان کا مدینہ سے ربذہ کی طرف سفر اور وہاں قیام کا ذکر ہے۔

''نقطۂ نظر'' کے تحت رضوان اللہ صاحب نے اپنے مضمون ''بعد از موت'' کے آٹھویں حصے میں دوزخ کے حالات اور وہاں مجرموں کو جو کھانا پینا دیا جائے گا، اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ اسی کے تحت رانا معظم صفدر صاحب نے اپنے مضمون میں شہید کی تعریف اور اس کے وسیع معنوں کو بیان کیا ہے۔ یہ ڈاکٹر خالد ظہیر صاحب کے انگریزی مضمون ''Definition of a Shaheed'' کا اردو ترجمہ ہے۔

''ادبیات'' میں جاوید احمد غامدی صاحب کی ایک غزل شائع کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة ابراهيم

(۳)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَھُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَھَنَّمَ یَصْلَوْنَھَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِہٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَکُمْ اِلَی النَّارِ ﴿۳۰﴾

تم نے دیکھا نہیں[۳۳] اُن لوگوں کو جنھوں نے اللہ کی نعمت[۳۴] کے بدلے میں ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر ـــــ جہنم ـــــ میں لا اتارا ہے؟ وہ اُس میں داخل ہوں گے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ اُنھوں نے اللہ کے شریک ٹھیرائے تاکہ (لوگوں کو) اُس کے راستے سے بھٹکا دیں۔ اُن سے کہو، مزے کر لو، تمھارا ٹھکانا بالآخر دوزخ ہی کی طرف ہے۔ ۲۸-۳۰

۳۳؎ یہ اسلوب خطاب یہاں اظہار تعجب اور ملامت کے لیے ہے اور مخاطبین قریش اور اُن کے لیڈر ہیں جو اپنی قوم کو دھکیل کر کفر و شرک کے گڑھے تک لے آئے تھے، جیسا کہ آگے بیان ہوا ہے۔

۳۴؎ اشارہ ہے اُس نعمت عظمیٰ کی طرف جو قریش کو اللہ کی عنایت اور ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے حاصل ہوئی اور وہ پورے عالم کے لیے توحید کے مرکز اور خدا کے حرم کی پاسبانی کے لیے چن لیے گئے۔

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً
مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾
اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ
مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ
الْاَنْھٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ ﴿۳۳﴾
وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا اِنَّ الْاِنْسَانَ

(اے پیغمبر)، میرے جو بندے ایمان لے آئے ہیں، اُن سے کہہ دو کہ نماز کا اہتمام رکھیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے، اُس میں سے کھلے اور چھپے (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں[۳۵]، اِس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی اور نہ کسی کی دوستی کام آئے گی۔ ۳۱

(یہ مشرکین دیکھتے نہیں کہ) اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی اتارا، پھر اُس سے تمھاری روزی کے لیے طرح طرح کے پھل نکالے اور کشتی کو تمھارے کام میں لگا دیا کہ اُس کے حکم سے سمندر میں چلے اور اُس نے دریاؤں کو تمھارے کام میں لگایا اور سورج اور چاند کو تمھارے کام میں لگایا، دونوں برابر چلے جا رہے ہیں۔ (اِسی طرح) دن اور رات کو بھی اُس نے تمھارے کام میں لگایا اور تمھیں ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی، عطا فرمایا[۳۶]۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۳۵؎ مطلب یہ ہے کہ اپنی قوم کے لوگوں کا رویہ اختیار کرنے کے بجاے وہ نماز اور انفاق کا اہتمام کریں تاکہ وہی امانت اب اُن کے سپرد کر دی جائے جس میں اُن کے یہ بھائی خیانت کر چکے ہیں۔

۳۶؎ یعنی ہر وہ چیز عطا فرمائی جس کا تقاضا تمھاری خلقت نے کیا اور جس چیز کی احتیاج تمھارے اندر رکھی، اُس کا جواب پوری مطابقت کے ساتھ فراہم کر دیا۔ اِس سے یہ حقیقت بالکل مبرہن ہو گئی کہ جس نے بنایا ہے، وہی پروردگار بھی ہے اور تمھاری سب ضرورتوں کا اہتمام بھی اُسی نے فرمایا ہے۔ اِس میں کوئی دوسرا کسی بھی درجے میں اُس کا شریک نہیں ہے۔

لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾
رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ

تو نہیں گن سکتے۔ (اِس پر بھی خدا کے شریک ٹھیراتے ہو)؟ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور بڑا ناشکرا ہے۔۳۲-۳۴

(یہ ابراہیم کی اولاد ہیں)۔ اِنھیں وہ واقعہ سناؤ، جب ابراہیم نے دعا کی تھی[۳۷] کہ میرے پروردگار، اِس شہر کو امن کا شہر[۳۸] بنا اور مجھے اور میری اولاد[۳۹] کو اِس سے دور رکھ کہ ہم بتوں کو پوجنے لگیں۔ پروردگار، اِن بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیا ہے[۴۰]۔ (یہ میری اولاد کو بھی گمراہ کر سکتے ہیں)، اِس لیے جو

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۳۷؎ آگے کی آیتوں سے واضح ہے کہ یہ دعا اُس وقت کی گئی، جب حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ کو سرزمین مکہ میں لا کر بسایا ہے۔

۳۸؎ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی ذریت کو مکہ میں آباد کیا تو اُس وقت یہ شہر نہ صرف یہ کہ تہذیب و تمدن اور آبادی و زرخیزی سے بالکل محروم تھا، بلکہ وحشی اور خانہ بدوش قبیلوں کی لوٹ مار سے بھی محفوظ نہ تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اِسی بنا پر یہ دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اِس طرح قبول فرمایا کہ اولاً، اِس سرزمین میں لڑنا بھڑنا اور جنگ وجدال یک قلم ممنوع قرار دیا۔ ثانیاً، اِس کی طرف سفر کے لیے چار مہینے حرام قرار دیے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اِس کے گرد و پیش میں خطرناک سے خطرناک علاقے بھی اِن مہینوں میں بالکل پرامن ہو گئے۔ ثالثاً، اِس میں اپنے گھر کو ایسی ہیبت عطا فرمائی کہ اِس پر باہر سے اول تو کسی نے حملہ آور ہونے کی جرأت ہی نہیں کی، لیکن اگر کبھی ایسا ہوا تو اِس کے باشندوں کی اِس طرح مدد کی کہ اُن کی معمولی مزاحمت پر آسمان سے اُن کے لیے اپنے جنود قاہرہ بھیج کر اُس کے دشمنوں کو بالکل پامال کر دیا۔

۳۹؎ اصل میں لفظ 'بَنِيَّ' آیا ہے، جس کے معنی بیٹوں کے ہیں، لیکن یہ علیٰ سبیل التغلیب یہاں اولاد کے معنی میں آ گیا ہے۔

۴۰؎ اصل الفاظ ہیں: 'اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ'۔ اِس میں چونکہ بتوں کی شدت تاثیر و تسخیر کا اظہار مقصود

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

(اُن میں سے) میری پیروی کرے، وہ میرا ہے اور جس نے میری بات نہیں مانی، (اُس کا معاملہ تیرے حوالے ہے)، پھر تو بخشنے والا ہے، تیری شفقت ابدی ہے۔ اے ہمارے پروردگار، میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس ایک بن کھیتی کی وادی میں لا بسایا ہے۔ پروردگار، اِس لیے کہ وہ (اِس گھر میں) نماز کا اہتمام کریں[۴۱]۔ سو تو لوگوں کے دل اُن کی طرف مائل کر دے اور اُنھیں پھلوں کی روزی عطا فرما، اِس لیے کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں[۴۲]۔ پروردگار، تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں[۴۳]۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے، نہ زمین

ہے، اِس لیے ضمیریں اور افعال وہ آ گئے ہیں جو ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

۴۱؎ نماز خدا کے ساتھ ہمارے تعلق کا اولین ظہور ہے، باقی تمام چیزیں اِسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے یہاں اِسی کا ذکر کیا ہے۔ وہ اِس حقیقت کو خوب جانتے تھے کہ اگر نماز اپنی صحیح روح کے ساتھ قائم رہے گی تو دین کی کوئی چیز بھی ضائع نہیں ہوگی، بلکہ یہی نماز ہر چیز کو قائم رکھنے کا ذریعہ بن جائے گی۔

۴۲؎ یہ دعا بھی اِس طرح پوری ہوئی کہ حج و عمرہ کی وجہ سے لوگوں کا رجوع اِس سرزمین کی طرف بہت بڑھ گیا۔ اِس سے تجارت اور کاروبار کو فروغ ہوا۔ باہر سے ہر قسم کی چیزیں اِس شہر کے بازاروں میں پہنچنے لگیں۔ پھر حرم کی تولیت کے باعث قریش کو ایسی عزت حاصل ہوئی کہ اُن کے قافلے بغیر کسی تعرض کے دوسرے ملکوں کو جانے لگے۔ اِس سے گلہ بانی اور شکار ہی پر گزر بسر کرنے والوں کی معیشت میں غیر معمولی تبدیلی آئی۔ چنانچہ ہر طرح کی اجناس اور پھل وغیرہ اِس شہر میں فراوانی کے ساتھ میسر ہو گئے۔

۴۳؎ یہ فقرہ نہایت بلیغ ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...اِس فقرے کی بلاغت احاطۂ بیان میں نہیں آ سکتی۔ بندہ جب اپنے رب سے کسی اہم معاملے میں دعا کرتا ہے تو اُس کو ایک بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ بعض باتیں وہ کہنا تو چاہتا ہے، لیکن وہ بیان میں نہیں آتیں، اِسی طرح

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ
اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ
وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

میں نہ آسمان میں۔ خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اِس بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق عطا فرمائے ہیں[44]۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے۔ پروردگار، مجھے نماز کا اہتمام کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی (جنھیں میں یہاں بسا رہا ہوں)۔ ہمارے پروردگار، اور میری یہ دعا قبول فرما۔ پروردگار، تو مجھ کو بخش دے اور میرے والدین[45] کو اور سب ایمان والوں کو بخش دے، اُس دن جبکہ حساب قائم ہوگا[46]۔ ۳۵-۴۱

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو دل میں تو ہوتی ہیں، لیکن وہ اُن کے کہنے میں کسی مبہم سبب سے کچھ حجاب سا محسوس کرتا ہے۔ اِس فقرے نے اِس طرح کی ساری باتوں کو سمیٹ لیا، اِس لیے کہ خدا کا علم ظاہر و مخفی، سب کو محیط ہے۔''

(تدبرقرآن ۴/ ۳۳۴)

۴۴؎ یہ دعا کے حق میں اُن احسانات کا حوالہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اِس سے پہلے اُن پر کیے تھے۔ اِس سے ضمناً یہ بات بھی پوری قطعیت کے ساتھ واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم نے اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ کو اُن کی پیدایش کے بعد نہیں، بلکہ اُس وقت مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں لا کر بسایا، جب اسمٰعیل علیہ السلام کے واقعہ قربانی کے بعد اسحٰق علیہ السلام بھی پیدا ہو چکے تھے اور اسمٰعیل اِس قابل تھے کہ بیت اللہ کے خادم اور متولی کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکیں۔

۴۵؎ لفظ 'وَالِدَیْن' بتا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِس دعا میں اپنے والد ـــــ آزر ـــــ کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ اُس وعدے کی بنا پر ہے جو اُنھوں نے ہجرت کے وقت باپ سے کیا تھا کہ 'سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ'*۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اِس سے روک دیا۔ یہ دعا، ظاہر ہے کہ اِس ممانعت سے پہلے کی ہے۔

۴۶؎ اِس دعا میں لفظ 'رَبِّ' یا 'رَبَّنَا' بار بار دہرایا گیا ہے۔ اِس کی وجہ کیا ہے؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

---

* مریم ۱۹: ۴۷۔

وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهۡطِعِيۡنَ مُقۡنِعِيۡ رُءُوۡسِهِمۡ لَا يَرۡتَدُّ اِلَيۡهِمۡ طَرۡفُهُمۡ وَاَفۡـِٕدَتُهُمۡ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾

وَاَنۡذِرِ النَّاسَ يَوۡمَ يَاۡتِيۡهِمُ الۡعَذَابُ فَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ نُّجِبۡ دَعۡوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اَوَلَمۡ تَكُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَكُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنۡتُمۡ فِيۡ مَسٰكِنِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَتَبَيَّنَ لَكُمۡ كَيۡفَ فَعَلۡنَا بِهِمۡ وَضَرَبۡنَا لَكُمُ الۡاَمۡثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدۡ مَكَرُوۡا مَكۡرَهُمۡ وَعِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡرُهُمۡ

یہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں، تم خدا کو اُس سے ہرگز غافل نہ سمجھو، (اے پیغمبر)۔ وہ اِنھیں صرف اُس دن کے لیے ٹال رہا ہے جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ یہ سر اٹھائے ہوئے بھاگ رہے ہوں گے، اِن کی نظر (اُٹھے گی تو) اِن کی طرف پلٹ کر نہ آئے گی اور اِن کے دل اڑے ہوئے ہوں گے۔۴۲-۴۳

تم اِن لوگوں کو اُس دن سے خبردار کر دو، جس دن اِنھیں عذاب آ لے گا۔ اُس وقت یہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے کہیں گے کہ اے ہمارے رب، ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دے، ہم تیری دعوت قبول کر لیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے — کیا تم اِس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے رہے تھے کہ تم (اپنی جگہ سے) ہٹنے والے نہیں ہو۔ تم اُنھی لوگوں کی بستیوں میں آباد تھے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے تھے اور تم پر کھل چکا تھا کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور ہم نے تمھارے لیے اُن کی مثالیں بیان کر دی تھیں۔ اُنھوں نے اپنی سب چالیں چل دیکھیں۔ اُن کی یہ چالیں

”... یوں بظاہر تو یہ ایک تکرار سی محسوس ہوتی ہے، لیکن درحقیقت یہ چیز دعا کی خصوصیات، بلکہ اُس کے لوازم میں سے ہے۔ دعا کا اصل مزاج تضرع، استمالت، استغاثہ اور التجا و فریاد ہے۔ یہ چیز مقتضی ہوتی ہے کہ جس سے دعا کی جا رہی ہے، اُس کو بار بار متوجہ کیا جائے۔ جب بندہ خدا کو ’رَبِّیْ‘ سے خطاب کرتا ہے تو وہ گویا اُس لطف خاص کو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾
فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ
تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى
الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى
وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

(اب) اللہ کے پاس دھری ہیں، اگرچہ اُن کی چالیں ایسی تھیں کہ اُن سے پہاڑ بھی ٹل جائیں۔۴۴-۴۶

سو ہرگز خیال نہ کرو کہ اللہ اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدوں کے خلاف کرے گا۔ یقیناً اللہ زبردست ہے، وہ انتقام لینے والا ہے۔ اُس دن کو یاد رکھو، جب یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب (تنہا، بے یارومددگار) اللہ واحد وقہار کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔ اُس دن تم مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، اُن کے لباس تارکول کے ہیں اور اُن کے چہروں پر آگ چھائی ہوئی ہے۔ یہ اِس لیے کہ اللہ ہر شخص کو اُس کی کمائی کا بدلہ دے۔ بے شک، اللہ جلد حساب چکا دینے والا ہے۔ یہ لوگوں کے لیے ایک اعلان ہے، (اِس لیے کہ اُن پر حجت پوری ہو جائے) اور اِس لیے کہ وہ اِس کے ذریعے سے خبردار کر دیے جائیں اور اِس لیے کہ وہ جان لیں کہ وہی ایک معبود ہے اور اِس لیے کہ دانش مند (اِس سے) یاددہانی حاصل کر لیں۔۴۷-۵۲

اپنی دعا کے حق میں سفارشی بناتا ہے جس کا تجربہ اُسے خود ہے اور جب اُس کو 'رَبَّنَا' سے خطاب کرتا ہے تو وہ اُس کے اُس کرم عام کو اپنی دعا کے حق میں سفارشی بناتا ہے جس کا مشاہدہ تمام خلق میں ہو رہا ہے۔''

(تدبرقرآن ۴/ ۳۳۴)

معز امجد
ترجمہ وتدوین: شاہد رضا

نظم اجتماعی کے متعلق پانچ احکام

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رُوِیَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰه أَمَرَ يَحْيَی بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَّعْمَلَ بِهَا وَ يَأْمُرَ بَنِیْ إِسْرَائِيْلَ أَنْ يَّعْمَلُوْا بِهَا. وَإِنَّهُ كَادَ أَنْ يُّبْطِئَ بِهَا، فَقَالَ عِيْسٰی: إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بَنِیْ إِسْرَائِيْلَ أَنْ يَّعْمَلُوْا بِهَا، فَإِمَّا أَنْ تَأْمُرَهُمْ وَإِمَّا أَنَا آمُرَهُمْ؟ فَقَالَ يَحْيٰی: أَخْشٰی إِنْ سَبَقْتَنِیْ بِهَا أَنْ يُّخْسَفَ بِیْ أَوْ أُعَذَّبَ، فَجَمَعَ النَّاسَ فِیْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَامْتَلَأَ الْمَسْجِدُ وَتَعَدَّوْا عَلَی الشُّرَفِ.

فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِیْ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَّ وَآمُرَكُمْ أَنْ تَعْمَلُوْا بِهِنَّ: أَوَّلُهُنَّ أَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا، وَإِنَّ مَثَلَ مَنْ أَشْرَكَ بِاللّٰهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرٰی عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهِ بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ، فَقَالَ: هٰذِهِ دَارِیْ وَهٰذَا عَمَلِیْ فَاعْمَلْ وَأَدِّ إِلَیَّ، فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّیْ إِلٰی غَيْرِ سَيِّدِهِ، فَأَيُّكُمْ يَرْضٰی أَنْ يَّكُوْنَ عَبْدُهُ كَذٰلِكَ؟

وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَكُمْ بِالصَّلٰوةِ، فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوْا، فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ

لِوَجْهِ عَبْدِهٖ فِیْ صَلٰوتِهٖ مَا لَمْ یَلْتَفِتْ.

وَآمُرُکُمْ بِالصِّیَامِ، فَإِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ کَمَثَلِ رَجُلٍ فِیْ عِصَابَةٍ مَعَهٗ صُرَّةٌ فِیْهَا مِسْكٌ فَکُلُّهُمْ یَعْجَبُ أَوْ یُعْجِبُهٗ رِیْحُهَا، وَإِنَّ رِیحَ الصَّائِمِ أَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ.

وَآمُرُکُمْ بِالصَّدَقَةِ، فَإِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ کَمَثَلِ رَجُلٍ أَسَرَهُ الْعَدُوُّ، فَأَوْثَقُوْا یَدَهٗ إِلٰی عُنُقِهٖ وَقَدَّمُوْهُ لِیَضْرِبُوْا عُنُقَهٗ، فَقَالَ: أَنَا أَفْدِیْهِ مِنْکُمْ بِالْقَلِیْلِ وَالْکَثِیْرِ فَفَدٰی نَفْسَهٗ مِنْهُمْ.

وَآمُرُکُمْ أَنْ تَذْکُرُوا اللّٰهَ، فَإِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ کَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِیْ أَثَرِهٖ سِرَاعًا حَتّٰی إِذَا أَتٰی عَلٰی حِصْنٍ حَصِیْنٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهٗ مِنْهُمْ، کَذٰلِكَ الْعَبْدُ لَا یُحْرِزُ نَفْسَهٗ مِنَ الشَّیْطَانِ إِلَّا بِذِکْرِ اللّٰهِ.

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: وَأَنَا آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ، أَللّٰهُ أَمَرَنِیْ بِهِنَّ: السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالْجِهَادُ وَالْهِجْرَةُ وَالْجَمَاعَةُ، فَإِنَّهٗ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ إِلَّا أَنْ یَّرْجِعَ. وَمَنِ ادَّعٰی دَعْوَی الْجَاهِلِیَّةِ فَإِنَّهٗ مِنْ جُثَا جَهَنَّمَ.

فَقَالَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَإِنْ صَلّٰی وَصَامَ؟

قَالَ: وَإِنْ صَلّٰی وَصَامَ. فَادْعُوْا بِدَعْوَی اللّٰهِ الَّذِیْ سَمَّاکُمْ، الْمُسْلِمِیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ، عِبَادَ اللّٰهِ.

روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک، اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا (علیہ السلام) کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ وہ ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی حکم دیں

کہ وہ ان پر عمل کریں۔ قریب تھا کہ یحییٰ (علیہ السلام) ان کو آگے پہنچانے میں دیر کر دیتے۔ اس پر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے (حضرت یحییٰ) کو کہا: بے شک، اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کا حکم دیا ہے کہ آپ ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی حکم دیں کہ وہ ان پر عمل کریں، تو کیا آپ ان کو (فوراً) حکم دیں گے یا میں خود ان کو حکم دوں؟ حضرت یحییٰ نے جواب دیا: (میں نے ایسا نہ کیا تو)[1] مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ نے ان کو پہنچانے میں مجھ سے سبقت لے لی، مجھے زمین میں دھنسا دیا جائے گا یا سزا دی جائے گی، چنانچہ انھوں نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا تو مسجد بھر گئی، یہاں تک کہ لوگ ستونوں پر چڑھ گئے[2]۔

(اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے) حضرت یحییٰ نے کہا: بے شک، اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے کہ میں ان پر عمل کروں اور تمھیں بھی حکم دوں کہ تم ان پر عمل کرو: ان میں سے پہلی یہ ہے کہ تم (تنہا) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، بے شک اس شخص کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، ایسی ہے جیسے ایک شخص اپنے خالص مال، جس میں سونا یا چاندی شامل ہو، سے ایک غلام خریدے اور پھر (اس سے) کہے کہ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام، تم بہتر کام کرو اور اپنی محنت کا نفع مجھے دو، چنانچہ غلام کام کرتا ہے اور اس کا نفع اپنے مالک کے علاوہ کسی اور کو دے دیتا ہے، تو تم میں سے کون ہے جو یہ چاہے کہ اس کا غلام اس طرح کا ہو[3]؟

بے شک، اللہ تعالیٰ نے تمھیں نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ جب تم نماز ادا کرو تو کسی اور چیز کی طرف توجہ مت کرو، کیونکہ جب تک وہ کسی اور چیز کی طرف توجہ نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی طرف توجہ رکھتا ہے۔

اور میں تمھیں روزے کا حکم دیتا ہوں، روزے کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص (سفر میں) ایک گروہ کے ساتھ ہے، اس کے پاس ایک مشک سے بھری ہوئی تھیلی ہے اور اس گروہ میں سے ہر شخص اس کی خوشبو کو پسند کرتا ہے۔ بے شک، اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو مشک کی بو سے بھی

زیادہ پاکیزہ ہے۔

اور میں تمھیں صدقہ کا حکم دیتا ہوں، صدقے کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی شخص کو دشمن قید کرلیں اور اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیں اور وہ اسے قتل کرنے کے لیے لے جائیں، وہ ان سے کہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو تم سے آزاد کرانے کے لیے تمھیں اپنی قلیل و کثیر رقم دیتا ہوں، تو وہ یہ رقم دے کر ان سے اپنے آپ کو آزاد کرا لیتا ہے[4]۔

اور میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص کو پکڑنے کے لیے اس کا دشمن دوڑتا ہوا اس کے پیچھے نکلا، یہاں تک کہ وہ ایک مضبوط قلعے میں آ گیا اور (اس میں پناہ لیتے ہوئے) اپنے آپ کو دشمن سے بچا لیا، اسی طرح سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بندہ اپنے آپ کو شیطان سے نہیں بچا سکتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمھیں پانچ (اضافی) باتوں کا حکم دیتا ہوں[5]، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے: سمع، (حکمرانوں کی) اطاعت[6]، جہاد[7]، ہجرت[8] اور نظم اجتماعی[9]، کیونکہ جس شخص نے ایک بالشت برابر بھی (اپنے آپ کو) نظم اجتماعی سے الگ کیا، اس نے اسلام کا قلادہ اپنے گلے سے اتار دیا[10]، یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے۔ جس شخص نے زمانۂ جاہلیت کی پکار[11] کی طرح پکارا، وہ دوزخ کے گہرے گڑھے میں ہوگا۔

ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ، اگرچہ وہ نماز ادا کرے اور روزہ رکھے؟

آپ نے ارشاد فرمایا: اگرچہ وہ نماز ادا کرے اور روزہ رکھے۔ چنانچہ تم اسی نام سے پکارو جو تمھیں اللہ تعالیٰ دے چکا ہے: مسلمان، مومن[12]، اے اللہ تعالیٰ کے بندو۔

ترجمے کے حواشی

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں۔

۲۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اتنی تعداد میں حاضر ہو گئے کہ مسجد کی جگہ تنگ پڑ گئی، یہاں تک کہ لوگ مسجد کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ستونوں اور بلند مقامات پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کا حقیقی مالک اور آقا ہے، اور وہ تمام اشیا جن سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے، یہ سب صرف اللہ تعالیٰ نے ہی اسے عطا کی ہیں۔ اس بدیہی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے انسان بغیر کسی دلیل کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھیراتا ہے جو نہ تو اس پر کسی قسم کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اُن نعمتوں میں وہ ادنیٰ سے ادنیٰ حصہ رکھتے ہیں جن سے انسان زندگی میں بہرہ مند ہوتا ہے۔ اوپر ایک مثال روایت کی گئی ہے جس میں حضرت یحییٰ علیہ السلام ایک عقل سے اندھے انسان اور ایک غلام کا تقابل کرتے ہیں جسے ایک شخص خریدتا ہے اور اسے خوراک مہیا کرتا ہے، اسے کام پہ لگاتا ہے، مگر غلام اپنی محنت کی تمام کمائی اپنے مالک اور آقا کے علاوہ کسی اور کو دے دیتا ہے۔ اس سے بالبداہت واضح ہے کہ جس طرح کوئی شخص یہ نہیں چاہے گا کہ اس کا غلام اس طرح کا ہو، وہ خالق حقیقی کس طرح چاہے گا کہ اس کا بندہ، جسے اس نے عظیم نعمتوں سے نوازا ہے، اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھیرائے!

۴۔ اس طرح صدقہ انسان کو ان صغیرہ گناہوں کے نتائج سے محفوظ رکھتا ہے جن کا وہ زندگی میں ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔

۵۔ یعنی جن باتوں کا حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا، ان پانچ باتوں کے علاوہ پانچ باتیں۔

۶۔ یعنی حکومت کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔ یہ طرز اطاعت ایک منظّم اور سیاسی ریاست کے لازمی اساسات میں سے ہے۔ جیسا کہ گذشتہ بیانات میں واضح کیا جا چکا ہے کہ ایک شخص کو صرف اسی صورت میں حکمران کے احکامات کا انکار کرنا چاہیے، جب حکمران اسے ایسی بات کا حکم دے جس سے خالق حقیقی کی معصیت لازم آتی ہو۔ اس استثنا کے ساتھ کہ جب حکمران کسی کو ایسی بات کا حکم دے جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو، ہر شخص کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ریاست کے حکمرانوں کا اطاعت گزار رہے۔

۷۔ امر شریعت ہونے کی حیثیت سے جب مسلم ریاست قدرت رکھتی ہو، اس پر یہ ضروری ہے کہ وہ ظلم وعدوان کے خلاف جنگ کرے۔ شریعت کی ہدایات کے مطابق، ظلم و جبر کے خلاف یہ منظّم اور علانیہ جنگ جہاد کہلاتی ہے۔

۸۔ مذہبی تعلیمات کے حوالے سے جب کوئی سیاسی گروہ کسی شخص کو ظلم وستم کا نشانہ بنائے تو قرآن مجید نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ ایسے علاقے کی طرف ہجرت کر جائے جہاں وہ آزادانہ طور پر اپنے مذہب پر عمل پیرا ہو سکے، جبکہ اس ہجرت کے دروازے وہاں اس کے لیے کھلے ہوں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۹۔ نظم اجتماعی کے ساتھ یہ وابستگی، ریاست کے قوانین کی توقیر اور اطاعت گزاری کا علامتی اظہار ہے، اور اسی طرح مسلمانوں کے سیاسی نمائندوں کے احترام اور فرماں برداری کا اظہار ہے۔

۱۰۔ ''اس نے اسلام کا قلادہ اپنے گلے سے اتار دیا'' کے جملے کا مطلب ہے کہ ایسا شخص اس سماجی ضابطے کی مکمل طور پر بے حرمتی کا مجرم ہے جس کا اسلام نے اسے پابند کیا ہے۔

۱۱۔ ''جاہلیت کی پکار'' سے مراد ہے: لوگوں کو ان کے قبائلی اور خاندانی وابستگی کے ذریعے سے پکارنا اور اس طرح ان میں اس وابستگی کے لیے تعصب، عزت اور دفاع کا احساس پیدا کرنا۔ چونکہ اس طرح کا عمل اتحاد اور بھائی چارے کی روح کے منافی ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مسلمانوں کے درمیان انتشار پھیلانے کی وجہ سے آخرت میں قبر کے نتائج سے آگاہ فرمایا ہے۔

۱۲۔ دوسروں کو ایسے ناموں سے پکارنا جن سے نااتفاقی پھیلنے کا اندیشہ ہو، ان کے بجائے نبی علیہ السلام نے دوسروں کو 'مسلمان' اور 'مومن' کے ناموں سے پکارنے کا حکم دیا ہے۔ ان ناموں سے پکارنے کے باعث ان میں اتحاد اور مساوات کا احساس پیدا ہوگا، لوگوں کے تعصّبات دور ہوں گے اور ان کو اس بنیادی عنصر کی یاددہانی ہوگی جو ان کے درمیان بندھن کا باعث ہے، یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی فرماں برداری۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خلاصۂ کلام

اس روایت سے واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ ماننے والے اپنے اوپر عائد فرائض کے ساتھ ساتھ زندگی کے مجموعی حالات میں بھی تبدیلی پیدا کریں۔ یہ بات واضح ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ان آخری پیغمبروں میں سے تھے جنھیں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا، اور ان کو اس وقت بھیجا گیا جب رومیوں کا غلبہ تھا۔ غیراسرائیلیوں کے ماتحت رہتے ہوئے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دین خداوندی کے صرف انھی احکامات کی طرف دعوت کے لیے حکم دیا گیا تھا جو بنی اسرائیل کی انفرادی حیثیت سے متعلق تھے۔ بہرحال، یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ تورات بھی انھی احکام پر مشتمل ہے جو سیاسی نظم اور ریاست سے متعلق ہیں۔ تاہم، چونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس سیاسی نظم کا وجود نہیں تھا اور حکومت بنی اسرائیل کے ہاتھوں سے منتقل ہو چکی تھی، اس لیے تورات کے یہ احکامات بنی اسرائیل کے لیے قابل عمل نہیں تھے، جب تک کہ حکومت ان کو واپس نہیں مل گئی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کو جن سیاسی حالات سے گزرنا پڑا، اس کے برعکس نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کے ذریعے سے پہلے مدینے میں اور پھر جزیرہ نماے عرب میں ایک مسلم ریاست قائم ہو چکی تھی۔ اس نظم اجتماعی کے قیام کے ساتھ مسلمانوں کی انفرادی حیثیت سے متعلق احکام کے علاوہ، وہ ایک بار پھر شریعت کے ان احکام کے مخاطب ہو گئے جو نظم اجتماعی سے متعلق تھے۔

متون

یہ روایت ترمذی، رقم ۲۸۶۳؛ احمد، رقم ۱۷۲۰۹، ۱۷۸۳۳، ۲۲۹۶۱؛ ابن خزیمہ، رقم ۴۸۳، ۹۳۰، ۱۸۹۵؛ ابن حبان، رقم ۶۲۳۳؛ بیہقی، رقم ۳۳۴۸، ۱۶۳۹۰؛ ابویعلیٰ، رقم ۱۵۷۱ اور عبدالرزاق، رقم ۵۱۴۱، ۲۰۷۰۹ میں روایت کی گئی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

حج و عمرہ

یہ دونوں عبادات دین ابراہیمی میں عبادت کا منتہاے کمال ہیں۔ اِن کی تاریخ اُس منادی سے شروع ہوتی ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے مسجد حرام کی تعمیر کے بعد کی تھی کہ لوگ خداوند کی نذر چڑھانے کے لیے آئیں اور توحید پر ایمان کا جو عہد اُنھوں نے باندھ رکھا ہے، اُسے یہاں آکر تازہ کریں۔

اپنے معبود کے لیے جذبۂ پرستش کا یہ آخری درجہ ہے کہ اُس کے طلب کرنے پر بندہ اپنا جان و مال، سب اُس کے حضور میں نذر کر دینے کے لیے حاضر ہو جائے۔ حج و عمرہ اِسی نذر کی تمثیل ہیں۔ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کو ممثل کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ عمرہ اجمال ہے اور حج اِس لحاظ سے اُس کی تفصیل کر دیتا ہے کہ اِس سے وہ مقصد بھی بالکل نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے جس کے لیے جان و مال نذر کر دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ آدم کی تخلیق سے اُس کی جو اسکیم دنیا میں برپا ہوئی ہے، ابلیس نے پہلے دن ہی سے اُس کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ چنانچہ اللہ کے بندے اب قیامت تک کے لیے اپنے اِس ازلی دشمن اور اِس کی ذریت کے خلاف برسر جنگ ہیں۔ یہی اِس دنیا کی آزمایش ہے جس میں کامیابی اور ناکامی پر انسان کے ابدی مستقبل کا انحصار ہے۔ اپنا جان و مال ہم اِسی جنگ کے لیے اللہ کی نذر کرتے ہیں۔ ابلیس کے خلاف اِس جنگ کو حج میں ممثل کیا گیا ہے۔ یہ تمثیل اِس طرح ہے:

اللہ کے بندے اپنے پروردگار کی ندا پر دنیا کے مال و متاع اور اُس کی لذتوں اور مصروفیتوں سے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ پھر 'لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ' کہتے ہوئے میدان جنگ میں پہنچتے اور بالکل مجاہدین کے طریقے پر ایک وادی میں ڈیرے ڈال

دیتے ہیں۔

اگلے دن ایک کھلے میدان میں پہنچ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے، اِس جنگ میں کامیابی کے لیے دعا ومناجات کرتے اور اپنے امام کا خطبہ سنتے ہیں۔

تمثیل کے تقاضے سے نمازیں قصر اور جمع کر کے پڑھتے اور راستے میں مختصر پڑاؤ کرتے ہوئے دوبارہ اپنے ڈیروں پر پہنچ جاتے ہیں۔

پھر شیطان پر سنگ باری کرتے، اپنے جانوروں کی قربانی پیش کر کے اپنے آپ کو خداوند کی نذر کرتے، سر مونڈاتے اور نذر کے پھیروں کے لیے اصل معبد اور قربان گاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں۔

پھر وہاں سے لوٹتے اور اگلے دو یا تین دن اِسی طرح شیطان پر سنگ باری کرتے رہتے ہیں۔

اِس لحاظ سے دیکھیے تو حج و عمرہ میں احرام اِس بات کی علامت ہے کہ بندۂ مومن نے دنیا کی لذتوں، مصروفیتوں اور مرغوبات سے ہاتھ اٹھالیا ہے اور دو اَن سلی چادروں سے اپنا بدن ڈھانپ کر وہ برہنہ سر اور کسی حد تک برہنہ پا بالکل راہبوں کی صورت بنائے ہوئے اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچنے کے لیے گھر سے نکل کھڑا ہوا ہے۔

تلبیہ اُس صدا کا جواب ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت الحرام کی تعمیر نو کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر بلند کی تھی۔ اب یہ صدا دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ چکی ہے اور اللہ کے بندے اُس کی نعمتوں کا اعتراف اور اُس کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے اِس صدا کے جواب میں 'لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ' کا یہ دل نواز ترانہ پڑھتے ہیں۔

طواف نذر کے پھیرے ہیں۔ دین ابراہیمی میں یہ روایت قدیم سے چلی آرہی ہے کہ جس کی قربانی کی جائے یا جس کو معبد کی خدمت کے لیے نذر کیا جائے، اُسے معبد یا قربان گاہ کے سامنے پھرایا جائے۔

حجر اسود کا استلام تجدید عہد کی علامت ہے۔ اِس میں بندہ اِس پتھر کو تمثیلاً اپنے پروردگار کا ہاتھ قرار دے کر اِس ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتا اور عہد و میثاق کی قدیم روایت کے مطابق اِس کو چوم کر اپنے اِس عہد کی تجدید کرتا ہے کہ اسلام قبول کر کے وہ جنت کے عوض اپنا جان و مال، سب اللہ کے سپرد کر چکا ہے۔

سعی اسمٰعیل علیہ السلام کی قربان گاہ کا طواف ہے۔ سیدنا ابراہیم نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر اِس قربان گاہ کو دیکھا تھا اور پھر حکم کی تعمیل کے لیے ذرا تیزی کے ساتھ چلتے ہوئے مروہ کی طرف گئے تھے۔ چنانچہ صفا و مروہ کا یہ طواف بھی نذر کے پھیرے ہیں جو پہلے معبد کے سامنے اور اِس کے بعد قربانی کی جگہ پر لگائے جاتے ہیں۔

عرفات معبد کا قائم مقام ہے، جہاں شیطان کے خلاف اِس جنگ کے مجاہدین جمع ہوتے، اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور اِس جنگ میں کامیابی کے لیے دعا و مناجات کرتے ہیں۔

مزدلفہ راستے کا پڑاؤ ہے، جہاں وہ رات گزارتے اور صبح اُٹھ کر میدان میں اترنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر دعا و مناجات کرتے ہیں۔

رمی ابلیس پر لعنت اور اُس کے خلاف جنگ کی علامت ہے۔ یہ عمل اِس عزم کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ بندۂ مومن ابلیس کی پسپائی سے کم کسی چیز پر راضی نہ ہوگا۔ یہ معلوم ہے کہ انسان کا یہ ازلی دشمن جب وسوسہ انگیزی کرتا ہے تو اِس کے بعد خاموش نہیں ہو جاتا، بلکہ یہ سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ تاہم مزاحمت کی جائے تو اِس کی تاخت بتدریج کمزور ہو جاتی ہے۔ تین دن کی رمی اور اِس کے لیے پہلے بڑے اور اِس کے بعد چھوٹے جمرات کی رمی سے اِسی بات کو ظاہر کیا گیا ہے۔

قربانی جان کا فدیہ ہے اور سر کے بال مونڈنا اِس بات کی علامت ہے کہ نذر پیش کر دی گئی اور اب بندہ اپنے خداوند کی اطاعت اور دائمی غلامی کی اِس علامت کے ساتھ اپنے گھر لوٹ سکتا ہے۔

اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کس قدر غیر معمولی عبادت ہے جو ہر صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں کم سے کم ایک مرتبہ فرض کی گئی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حج و عمرہ کا مقصد

حج و عمرہ کا مقصد وہی ہے جو اِن کی حقیقت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف، اُس کی توحید کا اقرار اور اِس بات کی یاددہانی کہ اسلام قبول کر کے ہم اپنے آپ کو پروردگار کی نذر کر چکے ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کی معرفت اور دل و دماغ میں جن کے رسوخ کو قرآن نے مقامات حج کے منافع سے تعبیر کیا ہے۔ یہ مقصد ذکر کے اُن الفاظ سے نہایت خوبی کے ساتھ واضح ہوتا ہے جو اِس عبادت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اِسی مقصد کو نمایاں رکھنے اور ذہنوں میں پوری طرح راسخ کر دینے کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔ چنانچہ احرام باندھ لینے کے بعد یہ الفاظ ہر شخص کی زبان پر مسلسل جاری رہتے ہیں:

لَبَّیْكَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ؛ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ، لَبَّیْكَ؛ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ؛ لَا شَرِیْكَ لَكَ.

’’میں حاضر ہوں، اے اللہ، میں حاضر ہوں؛ حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں؛ میں حاضر ہوں، حمد تیرے لیے ہے، سب نعمتیں تیری ہیں اور بادشاہی بھی تیرے ہی لیے ہے؛ تیرا کوئی شریک نہیں۔‘‘

حج وعمرہ کے ایام

عمرہ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ پورے سال میں لوگ جب چاہیں، کر سکتے ہیں۔ حج کے لیے، البتہ ۸/ ذوالحجہ سے ۱۳/ ذوالحجہ تک کے ایام مقرر ہیں اور یہ اِنھی ایام میں ہوسکتا ہے۔

حج وعمرہ کا طریقہ

حج وعمرہ کے لیے جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے، وہ یہ ہے:

عمرہ

اِس عبادت کی نیت سے اِس کا احرام باندھا جائے۔

باہر سے آنے والے یہ احرام اپنی میقات سے باندھیں؛ مقیم خواہ وہ مکی ہوں یا عارضی طور پر مکہ میں ٹھیرے ہوئے ہوں، اِسے حدود حرم سے باہر کسی جگہ سے باندھیں؛ اور جو لوگ اِن حدود سے باہر، لیکن میقات کے اندر رہتے ہوں، اُن کی میقات وہی جگہ ہے، جہاں وہ مقیم ہیں، وہ وہیں سے احرام باندھ لیں اور تلبیہ پڑھنا شروع کر دیں۔

بیت اللہ میں پہنچنے تک تلبیہ کا ورد جاری رکھا جائے۔

وہاں پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کیا جائے۔

پھر صفا و مروہ کی سعی کی جائے۔

ہدی کے جانور ساتھ ہوں تو اُن کی قربانی کی جائے۔

قربانی کے بعد مرد سر منڈوا کر یا حجامت کرا کے اور عورتیں اپنی چوٹی کے آخر سے تھوڑے سے بال کاٹ کر احرام کھول دیں۔

یہ احرام ایک اصطلاح ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ اب وہ شہوت کی کوئی بات نہیں کریں گے؛ زیب وزینت کی کوئی چیز، مثلاً خوشبو وغیرہ استعمال نہیں کریں گے؛ ناخن نہیں تراشیں گے، نہ جسم کے کسی حصے کے بال اتاریں گے، نہ میل کچیل دور کریں گے، یہاں تک کہ اپنے بدن کی جوئیں بھی نہیں ماریں گے؛ شکار نہیں کریں گے؛ سلے ہوئے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کپڑے نہیں پہنیں گے؛ اپنا سر، چہرہ اور پاؤں کے اوپر کا حصہ کھلا رکھیں گے، اور ایک چادر تہ بند کے طور پر باندھیں گے اور ایک اوڑھ لیں گے۔

عورتیں، البتہ سلے ہوئے کپڑے پہنیں گی اور سر اور پاؤں بھی ڈھانپ سکیں گی۔ اُن کے لیے صرف چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنے ضروری ہیں۔

میقات اُن جگہوں کو کہتے ہیں جو حج و عمرہ کی غرض سے آنے والوں کے لیے حدودِ حرم سے کچھ فاصلے پر متعین کر دی گئی ہیں۔ اِن سے آگے وہ احرام کے بغیر نہیں جا سکتے۔ یہ جگہیں پانچ ہیں: مدینہ سے آنے والوں کے لیے ذو الحلیفہ، یمن سے آنے والوں کے لیے یلملم، مصر و شام سے آنے والوں کے لیے جحفہ، نجد سے آنے والوں کے لیے قرن اور مشرق کی طرف سے آنے والوں کے لیے ذات عرق۔

تلبیہ سے مراد 'لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ؛ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، لَبَّيْكَ؛ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ؛ لَا شَرِيْكَ لَكَ' کا ورد ہے جو احرام باندھتے ہی شروع ہوتا اور بیت اللہ میں پہنچنے تک برابر جاری رہتا ہے۔ حج و عمرہ کے لیے تنہا یہی ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔

طواف کا لفظ اُن سات پھیروں کے لیے بولا جاتا ہے جو ہر طرح کی نجاست سے پاک ہو کر بیت اللہ کے گرد لگائے جاتے ہیں۔ اِن میں سے ہر پھیرا حجر اسود* سے شروع ہو کر اُسی پر ختم ہوتا ہے اور ہر پھیرے کی ابتدا میں حجر اسود کا استلام کیا جاتا ہے۔ یہ حجر اسود کو چومنے یا ہاتھ سے اُس کو چھو کر اپنا ہاتھ چوم لینے کے لیے ایک اصطلاح ہے۔ ہجوم کی صورت میں ہاتھ سے یا ہاتھ کی چھڑی سے یا اِس طرح کی کسی دوسری چیز سے اشارہ کر دینا بھی اِس کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔

سعی سے مراد صفا و مروہ کا طواف ہے۔ یہ بھی سات پھیرے ہیں جو صفا سے شروع ہوتے ہیں۔ صفا سے مروہ تک ایک اور مروہ سے صفا تک دوسرا پھیرا شمار کیا جاتا ہے۔ اِن میں سے آخری پھیرا مروہ پر ختم ہوتا ہے۔

قربانی کی طرح صفا و مروہ کی یہ سعی بھی بطور تطوع کی جاتی ہے۔ یہ عمرے کا کوئی لازمی حصہ نہیں ہے۔ عمرہ اِس کے بغیر بھی مکمل ہو جاتا ہے۔

ہدی کا لفظ اُن جانوروں کے لیے بولا جاتا ہے جو حرم میں قربانی کے لیے خاص کیے گئے ہوں۔ دوسرے جانوروں سے اُن کو ممیز رکھنے کے لیے اُن کے جسم پر نشان لگائے جاتے اور گلے میں پٹے ڈالے جاتے ہیں۔

---

* یہ بیت اللہ کی پرانی تعمیر کا پتھر ہے جسے تجدید عہد کی علامت کے طور پر اُس کے ایک گوشے میں نصب کیا گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حج

عمرے کی طرح حج کے لیے بھی پہلا کام یہی ہے کہ اِس کی نیت سے اِس کا احرام باندھا جائے۔

باہر سے آنے والے یہ احرام اپنی میقات سے باندھیں؛ مقیم خواہ وہ مکی ہوں یا عارضی طور پر مکہ میں ٹھیرے ہوئے ہوں یا حدود حرم سے باہر، لیکن میقات کے اندر رہتے ہوں، اُن کی میقات وہی جگہ ہے، جہاں وہ مقیم ہیں، وہ وہیں سے احرام باندھ لیں اور تلبیہ پڑھنا شروع کر دیں۔

۸/ ذوالحجہ کو منیٰ کے لیے روانہ ہوں اور وہاں قیام کریں۔

۹/ ذوالحجہ کی صبح عرفات کے لیے روانہ ہوں۔

وہاں پہنچ کر امام ظہر کی نماز سے پہلے حج کا خطبہ دے، پھر ظہر اور عصر کی نماز جمع اور قصر کر کے پڑھی جائے۔

نماز سے فارغ ہو کر جتنی دیر کے لیے ممکن ہو، اللہ تعالیٰ کے حضور میں تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل اور دعا و مناجات کی جائے۔

غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کے لیے روانہ ہوں۔

وہاں پہنچ کر مغرب اور عشا کی نماز جمع اور قصر کر کے پڑھی جائے۔

رات کو اِسی میدان میں قیام کیا جائے۔

فجر کے بعد یہاں بھی تھوڑی دیر کے لیے عرفات ہی کی طرح تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل اور دعا و مناجات کی جائے۔

پھر منیٰ کے لیے روانہ ہوں اور وہاں جمرۂ عقبہ کے پاس پہنچ کر تلبیہ پڑھنا بند کر دیا جائے اور اِس جمرے کو سات کنکریاں ماری جائیں۔

ہدی کے جانور ساتھ ہوں یا نذر اور کفارے کی کوئی قربانی واجب ہو چکی ہو تو یہ قربانی کی جائے۔

پھر مرد سر منڈوا کر یا حجامت کرا کے اور عورتیں اپنی چوٹی کے آخر سے تھوڑے سے بال کاٹ کر احرام کا لباس اتار دیں۔

پھر بیت اللہ پہنچ کر اُس کا طواف کیا جائے۔

احرام کی تمام پابندیاں اِس کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گی، اِس کے بعد اگر شوق ہو تو بطور تطوع صفا و مروہ کی سعی بھی کی جائے۔

پھر منیٰ واپس پہنچ کر دو یا تین دن قیام کیا جائے اور روزانہ پہلے جمرۃ الاولیٰ، پھر جمرۃ الوسطیٰ اور اِس کے بعد جمرۃ الاخریٰ کو سات سات کنکریاں ماری جائیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے حج و عمرہ کے مناسک یہی ہیں۔ قرآن نے اِن میں کوئی تبدیلی نہیں کی،

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

صرف اتنا کیا ہے کہ اِن سے متعلق بعض فقہی احکام کی توضیح فرما دی ہے۔

یہ احکام درج ذیل ہیں:

پہلا حکم یہ ہے کہ حج و عمرہ کے تعلق سے جو حرمتیں اللہ تعالیٰ نے قائم کر دی ہیں، اُن کی تعظیم ایمان کا تقاضا ہے، وہ ہر حال میں قائم رہنی چاہییں۔ تاہم کوئی دوسرا فریق اگر اُنھیں ملحوظ رکھنے سے انکار کر دیتا ہے تو اِس کے بدلے میں مسلمانوں کو بھی حق ہے کہ وہ برابر کا اقدام کریں، اِس لیے کہ اِس طرح کی حرمتیں باہمی طور پر ہی قائم رہ سکتی ہیں، اُنھیں کوئی فریق اپنے طور پر قائم نہیں رکھ سکتا۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ اِس اجازت کے باوجود مسلمان اپنی طرف سے کوئی پیش قدمی نہیں کر سکتے۔ یہ اللہ کی حرمتیں ہیں، اِن کے توڑنے میں پہل ایک بدترین جرم ہے۔ اِس کا ارتکاب کسی حال میں بھی نہیں ہونا چاہیے۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ حالت احرام میں شکار کی ممانعت صرف خشکی کے جانوروں کے لیے ہے، دریائی جانوروں کا شکار کرنا یا دوسروں کا کیا ہوا شکار کھا لینا، دونوں جائز ہیں۔ تاہم اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ لوگ اِس رخصت سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ خشکی کا شکار ہر حال میں ممنوع ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے اِس گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اُسے کفارہ ادا کرنا چاہیے۔

اِس کی تین صورتیں ہیں:

جس طرح کا جانور شکار کیا گیا ہے، اُسی قبیل کا کوئی جانور گھریلو چوپایوں میں سے قربانی کے لیے بیت اللہ بھیجا جائے۔

اگر یہ ممکن نہ ہو تو اُس جانور کی قیمت کی نسبت سے مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔

یہ بھی دشوار ہو تو اتنے روزے رکھے جائیں، جتنے مسکینوں کو کھانا کھلانا کسی شخص پر عائد ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ جانوروں کا بدل کیا ہے یا اگر جانور کی قربانی متعذر ہے تو اُس کی قیمت کیا ہو گی یا اُس کے بدلے میں کتنے مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا کتنے روزے رکھے جائیں گے تو اِس کا فیصلہ مسلمانوں میں سے دو ثقہ آدمی کریں گے تاکہ جرم کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اپنے نفس کی جانب داری کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ حج و عمرہ کے لیے سفر کرنے والے اگر کسی جگہ گھر جائیں اور اُن کے لیے آگے جانا ممکن نہ رہے تو اونٹ، گائے، بکری میں سے جو میسر ہو، اُسے قربانی کے لیے بھیج دیں یا بھیجنا ممکن نہ ہو تو اُسی جگہ قربانی کر دیں اور سر منڈوا کر احرام کھول دیں۔ اُن کا حج و عمرہ یہی ہے۔ اِس معاملے میں یہ بات، البتہ واضح رہنی چاہیے کہ قربانی اِس طرح کی کسی جگہ پر کی جائے یا مکہ اور منیٰ میں، اُس سے پہلے سر منڈوانا جائز نہیں ہے، الاّ یہ کہ کوئی شخص بیمار ہو یا اُس

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کے سر میں کوئی تکلیف ہو اور وہ قربانی سے پہلے ہی سر منڈوانے پر مجبور ہو جائے۔ قرآن نے اجازت دی ہے کہ اِس طرح کی کوئی مجبوری پیش آ جائے تو لوگ سر منڈوا لیں، لیکن روزوں یا صدقے یا قربانی کی صورت میں اُس کا فدیہ دیں اور اُن کی تعداد اور مقدار اپنی صواب دید سے جو مناسب سمجھیں طے کر لیں۔

پانچواں حکم یہ ہے کہ باہر سے آنے والے اگر ایک ہی سفر میں حج و عمرہ، دونوں کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اِس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے عمرہ کر کے احرام کھول دیں، پھر ۸/ ذوالحجہ کو مکہ ہی میں دوبارہ احرام باندھ کر حج کر لیں۔ یہ محض ایک رخصت ہے جو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ سفر کی زحمت کے پیش نظر باہر سے آنے والے عازمین حج کو عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا وہ اِس کا فدیہ دیں گے۔ اِس کی دو صورتیں ہیں:

اونٹ، گائے اور بکری میں سے جو جانور بھی میسر ہو، اُس کی قربانی کی جائے۔

یہ ممکن نہ ہو تو دس روزے رکھے جائیں: تین حج کے دنوں میں اور سات حج سے واپسی کے بعد۔

اِس سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر یہی ہے کہ حج کے لیے الگ اور عمرے کے لیے الگ سفر کیا جائے۔ چنانچہ قرآن نے صراحت کر دی ہے کہ یہ رعایت اُن لوگوں کے لیے نہیں ہے جن کے گھر در مسجد حرام کے پاس ہوں۔

چھٹا حکم یہ ہے کہ منیٰ سے ۱۲/ ذوالحجہ کو بھی واپس آ سکتے ہیں اور چاہیں تو ۱۳/ ذوالحجہ تک بھی ٹھیر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ دونوں ہی صورتوں میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اِس لیے کہ اصل اہمیت اِس کی نہیں کہ لوگ کتنے دن ٹھیرے، بلکہ اِس کی ہے کہ جتنے دن بھی ٹھیرے، خدا کی یاد میں اور اُس سے ڈرتے ہوئے ٹھیرے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

قربانی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دنیا کے تمام مذاہب میں قربانی اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ایک بڑا ذریعہ رہی ہے۔ اِس کی حقیقت وہی ہے جو زکوٰۃ کی ہے، لیکن یہ اصلاً مال کی نہیں، بلکہ جان کی نذر ہے جو اُس جانور کے بدلے میں چھڑا لی جاتی ہے جسے ہم اِس کا قائم مقام بنا کر قربان کرتے ہیں۔

قربانی کی تاریخ

اِس کی تاریخ آدم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔ قرآن میں بیان ہوا ہے کہ اُن کے دو بیٹوں، (ہابیل اور قابیل) نے اپنی اپنی نذر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کی تو ایک کی نذر قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی۔ بائیبل میں صراحت ہے کہ ہابیل نے اِس موقع پر اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹے بچوں کی قربانی پیش کی تھی۔

یہ طریقہ بعد میں بھی، ظاہر ہے کہ قائم رہا ہو گا۔ چنانچہ اِس کے آثار ہم کو تمام مذاہب میں ملتے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کے بعد، البتہ جو اہمیت و عظمت اور وسعت و ہمہ گیری اِس عبادت کو حاصل ہوئی ہے، وہ اِس سے پہلے، یقیناً حاصل نہیں تھی۔ اُنھیں جب یہ ہدایت کی گئی کہ وہ بیٹے کی جگہ جانور کی قربانی دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اسمٰعیل کو ایک ذبح عظیم کے عوض چھڑا لیا ہے۔ اِس کے معنی یہ تھے کہ ابراہیم کی یہ نذر قبول کر لی گئی ہے اور اب پشت بہ پشت لوگ اپنی قربانیوں کے ذریعے سے اِس واقعے کی یاد قائم رکھیں گے۔ حج و عمرہ کے

موقع پر اور عیدالاضحیٰ کے دن یہی قربانی ہے جو ہم ایک نفل عبادت کے طور پر پورے اہتمام کے ساتھ کرتے ہیں۔

قربانی کا مقصد

اِس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری ہے۔ ہم اپنی جان کا نذرانہ قربانی کے جانوروں کو اُس کی علامت بنا کر بارگاہ خداوندی میں پیش کرتے ہیں تو گویا اسلام و اخبات کی اُس ہدایت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں جس کا اظہار سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے فرزند کی قربانی سے کیا تھا۔ اِس موقع پر تکبیر و تہلیل کے الفاظ اِسی مقصد سے ادا کیے جاتے ہیں۔

یہ، اگر غور کیجیے تو پرستش کا منتہاے کمال ہے۔ اپنا اور اپنے جانور کا منہ قبلہ کی طرف کر کے اور 'بِسْمِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ' کہہ کر ہم اپنے جانوروں کو قیام یا سجدے کی حالت میں اِس احساس کے ساتھ اپنے پروردگار کی نذر کر دیتے ہیں کہ یہ درحقیقت ہم اپنے آپ کو اُس کی نذر کر رہے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قربانی کا قانون

اِس کا قانون یہ ہے:

قربانی انعام کی قسم کے تمام چوپایوں کی ہو سکتی ہے۔

اِس کا جانور بے عیب اور اچھی عمر کا ہونا چاہیے۔

قربانی کا وقت یوم النحر ۱۰/ ذوالحجہ کو عیدالاضحیٰ کی نماز سے فراغت کے بعد شروع ہوتا ہے۔

اِس کے ایام وہی ہیں جو مزدلفہ سے واپسی کے بعد منیٰ میں قیام کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ اصطلاح میں اِنھیں ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ قربانی کے علاوہ اِن ایام میں یہ سنت بھی قائم کی گئی ہے کہ ہر نماز کی جماعت کے بعد تکبیریں کہی جائیں۔ نمازوں کے بعد تکبیر کا یہ حکم مطلق ہے۔ اِس کے کوئی خاص الفاظ شریعت میں مقرر نہیں کیے گئے۔

قربانی کا گوشت لوگ خود بھی بغیر کسی تردد کے کھا سکتے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔

دین و دانش

جاوید احمد غامدی

ازواج مطہرات

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

انسان کی تخلیق جس فطرت پر ہوئی ہے، اُس کی رو سے خاندان کا ادارہ اپنی اصلی خوبیوں کے ساتھ ایک ہی مرد و عورت میں رشتۂ نکاح سے قائم ہوتا ہے۔ انسان کی حیثیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی زندگی میں یہی چیز ملحوظ رکھی اور ایک بیوی کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح کا خیال نہیں کیا۔ چنانچہ ۲۵ برس کی عمر میں آپ نے پہلی شادی سیدہ خدیجہ سے کی۔ یہ خاتون اگرچہ بچوں والی تھیں اور اِن کے دو شوہر اِس سے پہلے انتقال کر چکے تھے، لیکن اپنی پاکیزگی طینت کے باعث طاہرہ کی صفت سے موصوف تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شباب کا سارا زمانہ اِنھی کی رفاقت میں گزارا۔ یہ شادی کم و بیش ۲۵ برس تک قائم رہی، یہاں تک کہ اِن کا انتقال ہو گیا اور گھر بار کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لیے آپ تنہا رہ گئے۔ روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ ایک صحابیہ خولہ بنت حکیم نے آپ کو توجہ دلائی کہ سیدہ خدیجہ کی رفاقت سے محرومی کے بعد آپ کی ضرورت ہے کہ آپ شادی کر لیں۔ اُس نے عرض کیا:

> يا رسول الله، كأني أراك قد دخلتك خُلَّةٌ لفقد خديجة ... أفلا أخطب عليك؟ (الطبقات الكبریٰ، ابن سعد ۸/ ۵۷)
>
> ’’اللہ کے رسول، میں دیکھتی ہوں کہ خدیجہ کی رفاقت سے محرومی کے بعد آپ گویا محتاج سے ہو کر رہ گئے ہیں ... میں آپ کی طرف سے کسی کو نکاح کا پیغام نہ دوں؟‘‘

آپ نے پوچھا: کیا کوئی رشتہ ہے؟ اُس نے جواب دیا: آپ چاہیں تو کنواری بھی ہے اور شوہر دیدہ بھی۔ آپ نے پوچھا: کنواری کون ہے؟ اُس نے کہا: آپ کے عزیز ترین دوست کی بیٹی عائشہ۔ اور شوہر دیدہ؟ اُس نے کہا: سودہ بنت زمعہ جو آپ پر ایمان لا چکی ہیں اور آپ کے دین کی پیرو ہیں۔ آپ نے فرمایا: بات کر کے دیکھ لو۔ اُس

نے بات کی تو دونوں جگہ منظور کر لی گئی۔* یہ بات چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کی گئی تھی، اِس لیے اب آپ انکار نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے نکاح تو دونوں سے کر لیا، لیکن رخصتی صرف سیدہ سودہ بنت زمعہ کی کرائی جو بیوہ اور عمر میں آپ کے برابر تھیں اور گھر در کی ذمہ داریوں کو بہتر طریقے پر پورا کر سکتی تھیں۔ چار سال تک یہی ایک خاتون آپ کے گھر میں رہیں، یہاں تک کہ سیدنا صدیق کے توجہ دلانے پر آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر میں لائے تو ساتھ ہی فیصلہ کر لیا کہ آپ سودہ بنت زمعہ کو طلاق دے دیں گے۔ اِس پر سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ وہ اُس عمر کو پہنچ چکی ہیں کہ زن و شو کے تعلق سے اب اُن کی کوئی دل چسپی باقی نہیں رہی، لہٰذا وہ اپنے حقوق عائشہ کے لیے چھوڑ دیں گی، مگر آپ اُنھیں طلاق نہ دیں۔ اُن کی خواہش ہے کہ وہ قیامت کے دن آپ ہی کی ازواج میں اٹھائی جائیں۔ اِس پر آپ نے ارادہ ترک کر دیا،** لیکن اِس کے نتیجے میں عملاً ایک سیدہ عائشہ ہی آپ کی بیوی رہ گئیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت بشری میں یہی آپ کی ازواج ہیں۔ اِن کے علاوہ آپ نے اپنی اِس حیثیت میں کسی عورت کے ساتھ نکاح نہیں کیا۔ چنانچہ جو لوگ آپ کو تعدد ازواج کا الزام دیتے اور آپ کی پاکیزہ اور مطہر زندگی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں، اُن کے بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ اُن کے سینے خدا کے خوف سے خالی ہیں۔ اِس لیے کہ جس ہستی کا حال یہ رہا ہو کہ ۲۵ سال کی ابتدائی زندگی میں کوئی شخص اُس کی سیرت و کردار پر حرف لانے کی جسارت نہ کر سکا؛ جس نے بھرپور جوانی میں شادی کی تو وہ بھی ایک ایسی خاتون سے جو بیوہ اور بچوں والی تھی؛ جس نے عرب کے معاشرے میں، جہاں تعدد ازواج کا عام رواج تھا، کم و بیش ۲۵ سال اِسی ایک خاتون کی رفاقت میں گزار دیے اور کبھی دوسری شادی کا سوچا تک نہیں؛ جس نے دوسرا نکاح کیا تو اُس کے انتقال کے بعد اور وہ بھی ایک پچاس سال کی بیوہ خاتون سے اور جس نے پوری زندگی میں ایک ہی باکرہ خاتون سے شادی کی اور اُس کی رخصتی کو بھی کئی برس تک موخر کیے رکھا تاکہ بڑی عمر کی جس خاتون کو گھر در کی ذمہ داریوں کے لیے لے آیا گیا ہے، اُس کو عدم التفات کی شکایت نہ ہو، اُس کے بارے میں صرف ایک بیمار ذہن کا شخص ہی یہ سوچ سکتا ہے کہ پچپن سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اُسے اچانک شادیوں کا ہوکا ہو گیا تھا اور اپنی خواہش نفس کی تسکین کے لیے اُس نے اپنے ہی بنائے ہوئے قانون میں ترمیم کی اور ایک کے بعد دوسری عورت سے نکاح کرنا شروع کر دیے تھے۔

اِس میں شبہ نہیں کہ اپنی زندگی کے آخری آٹھ برسوں میں آپ نے مزید آٹھ خواتین سے نکاح کیا اور اِس کے

* احمد، رقم ۲۵۲۴۱۔

** الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۵۲/۸۔

لیے ایک خصوصی قانون بھی نازل کیا گیا، لیکن یہ نکاح نہ بشری حیثیت میں کیے گئے، نہ اپنی خواہش سے اور نہ خواہش نفس کی تسکین کے لیے، بلکہ خدا کے آخری پیغمبر کی حیثیت سے اپنی منصبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اور خدا کے حکم پر یا اُس کے ایما سے کیے گئے تھے۔ کوئی سلیم الطبع آدمی جس نے تعصّبات کو الگ رکھ کر کبھی اِس معاملے کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، اِس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ تفصیلات درج ذیل ہیں:

۱۔ بدر اور احد کی جنگوں میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے جن کی بیواؤں اور یتیم بچوں کی نگہداشت مدینے کی چھوٹی سی ریاست میں ایک اجتماعی مسئلہ بن گئی۔ لہٰذا قرآن نے توجہ دلائی کہ اِن یتیم بچوں کے اعزہ اور سرپرست اگر یہ اندیشہ رکھتے ہوں کہ یتیموں کے اموال و املاک اور حقوق کی نگہداشت جیسی کچھ ہونی چاہیے، وہ کوئی آسان کام نہیں ہے اور وہ تنہا اِس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تو اُنھیں چاہیے کہ اُن کی ماؤں میں سے جو اُن کے لیے جائز ہوں، اُن کے ساتھ نکاح کر لیں۔ یہ بات اللہ پروردگار عالم کی طرف سے کہی گئی تھی جس پر سب سے بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو لبیک کہنا چاہیے تھی۔ چنانچہ آپ نے کہی اور تین بیوہ خواتین سے شادی کر لی۔ یہ تین خواتین حفصہ بنت عمر، زینب بنت خزیمہ اور ام سلمہ بنت ابی امیہ تھیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲۔ قرآن نے غلامی کو ختم کرنے اور معاشرے میں غلاموں کا مرتبہ بڑھانے کے لیے ہدایات دیں تو اُن پر عمل کا نمونہ پیش کرنے کے لیے آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب بنت جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے زید رضی اللہ عنہ سے کرا دیا۔ یہ بڑا غیر معمولی اور دوررس نتائج کا حامل اقدام تھا، مگر بدقسمتی سے دونوں میں نباہ نہیں ہو سکا اور زید نے اُنھیں طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا۔ سیدہ کے لیے یہ بڑے صدمے کی بات تھی۔ اِس لیے کہ پہلے ایک معاشرتی اصلاح کے لیے اُنھوں نے ایک آزاد کردہ غلام سے بیاہا جانا قبول کیا اور پھر مطلقہ بھی ہو گئیں۔ چنانچہ اُن کی دل داری اور متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کی حرمت کے جاہلی تصور کو بالکل ختم کر دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ سیدہ سے خود نکاح کر لیں، درآں حالیکہ اُس وقت چار بیویاں پہلے سے آپ کے نکاح میں تھیں۔ اِس پر جو لوگ معترض ہو سکتے تھے، اُن کی تنبیہ کے لیے فرمایا کہ آپ خاتم النبیین ہیں، لہٰذا یہ اصلاح آپ ہی کو کرنی ہے، آپ کے بعد کوئی دوسرا اِس کے لیے آنے والا نہیں ہے۔ سیدہ اور اُن کے شوہر کے درمیان جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی، اُس میں آپ خود بھی محسوس کرتے تھے کہ یہی کرنا پڑے گا، لیکن اِسے ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات کھول دی اور آپ کو توجہ دلائی کہ اللہ کے پیغمبر اپنی منصبی ذمہ داریوں کے معاملے میں لوگوں کے ردعمل کی پروا نہیں کرتے۔ لہٰذا سیدہ کے ساتھ آپ کے نکاح کا اعلان خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید میں کر دیا گیا۔

سورۂ احزاب میں ہے:

وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ: اَمۡسِكۡ عَلَیۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰہَ، وَتُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰہُ مُبۡدِیۡہِ وَتَخۡشَی النَّاسَ، وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰہُ، فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡہَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَہَا لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِہِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡہُنَّ وَطَرًا، وَکَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا. (۳۳:۳۷)

''اور یاد کرو، (اے پیغمبر)، جب تم اُس شخص سے بار بار کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور تم نے بھی انعام کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرو اور اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنے والا تھا اور لوگوں سے ڈر رہے تھے، دراں حالیکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ چنانچہ جب زید نے اُس (خاتون) سے اپنا تعلق توڑ لیا تو ہم نے تمھیں اُس سے بیاہ دیا، اِس لیے کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے، جب وہ اُن سے تعلق توڑ چکے ہوں۔ اور اللہ کا یہ حکم تو عمل میں آنا ہی تھا۔''

www.javedahmedghamidi.com www.al-mawrid.org

۳۔ یہ اعلان ہوا تو اِس کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نکاح و طلاق کا ایک مفصل ضابطہ بھی اللہ تعالیٰ نے اِسی سورہ میں بیان کر دیا جس میں تعدد ازواج کے وہ شرائط تو اٹھا دیے گئے جو عام مسلمانوں پر عائد کیے گئے ہیں، لیکن اِس کے ساتھ بعض ایسی پابندیاں آپ پر عائد کر دی گئیں جو عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہیں۔ یہ ضابطہ سورۂ احزاب (۳۳) کی آیات ۵۰-۵۲ میں بیان ہوا ہے اور جن نکات پر مبنی ہے، وہ یہ ہیں:

اولاً، سیدہ زینب سے نکاح کے بعد بھی آپ اگر چاہیں تو درج ذیل تین مقاصد کے لیے مزید نکاح کر سکتے ہیں:

اُن خاندانی عورتوں کی عزت افزائی کے لیے جو آپ کے کسی جنگی اقدام کے نتیجے میں قیدی بن کر آپ کے قبضے میں آ جائیں۔

اُن خواتین کی دل داری کے لیے جو محض حصول نسبت کی غرض سے آپ کے ساتھ نکاح کی خواہش مند ہوں اور آگے بڑھ کر اپنے آپ کو ہبہ کر دیں۔

اپنی اُن چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد بہنوں کی تالیف قلب کے لیے جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور اِس طرح اپنا گھر بار اور اپنے اعزہ و اقربا، سب کو چھوڑ کر آپ کا ساتھ دیا ہے۔

ثانیاً، یہ نکاح چونکہ ایک دینی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے کیے جائیں گے، اِس لیے اپنی اِن بیویوں کے ساتھ

بالکل یکساں تعلق رکھنے کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔

ثالثاً، اِن خواتین کے سوا دوسری تمام عورتیں اب آپ کے لیے حرام ہیں* اور اِن سے ایک مرتبہ نکاح کر لینے کے بعد اِنھیں الگ کر کے اِن کی جگہ کوئی دوسری بیوی بھی آپ نہیں لا سکتے، اگرچہ وہ آپ کو کتنی ہی پسند ہو۔

اِس کے صاف معنی یہ تھے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ جن عورتوں کو آپ کی دعوت پر لبیک کہنے یا آپ کے کسی اقدام کے نتیجے میں شدید صدموں سے دوچار ہونا پڑا ہے یا اُن کے اندر آپ سے حصول نسبت کی شدید خواہش ہے، آپ اُن سے نکاح کریں۔ یہ اِن عورتوں پر پروردگار عالم کی کمال شفقت کا اظہار تھا۔ چنانچہ اِس ایما کو سمجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ جویریہ اور سیدہ صفیہ کے ساتھ پہلے مقصد کے لیے نکاح کیا۔ سیدہ میمونہ دوسرے مقصد سے آپ کی ازواج میں شامل ہوئیں اور سیدہ ام حبیبہ کے ساتھ آپ کا نکاح تیسرے مقصد کے پیش نظر ہوا۔

اِس سے واضح ہے کہ یہ ایک خالص دینی ذمہ داری تھی جو نبوت و رسالت کے منصبی تقاضوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوئی اور آپ نے اِسے پورا کر دیا۔ بشری خواہشات سے اِس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ چنانچہ ضروری تھا کہ اِسے عام قانون سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ سورۂ احزاب کا جو ضابطہ اوپر مذکور ہے، وہ اِسی استثنا کو بیان کرتا ہے۔

[۲۰۱۴ء]

---

* چنانچہ اِسی پابندی کے باعث سیدہ ماریہ کے ساتھ آپ نکاح نہیں کر سکے اور وہ ملک یمین ہی کے طریقے پر آپ کے گھر میں رہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

(۲)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عہد فاروقی میں رومیوں نے سمندر کی جانب سے انطاکیہ پر حملہ کیا تو حضرت معاویہ شام کے گورنر تھے۔انھوں نے خلیفۂ دوم کے سامنے سمندری مہمات سر کرنے کے لیے بحری بیڑا تیار کرنے کی تجویز پیش کی تو وہ آمادہ نہ ہوئے۔ان کی شہادت کے بعد رومیوں نے دوبارہ بحری حملہ کر کے اسکندریہ کی بندرگاہ اور شہر پر قبضہ کر لیا تو حضرت معاویہ نے یہی راے سیدنا عثمان کے سامنے رکھی اور دلیل دی کہ اسلامی مملکت کی ہزاروں میل لمبی سمندری سرحد کو بحری قوت ہی کے ذریعے سے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔حضرت معاویہ نے جزیرۂ قبرص پر فوج کشی کی راے بھی دی جو حمص کے پڑوس میں تھا اور ایک باریک سمندری پٹی ان دونوں شہروں کے بیچ حائل تھی۔خلیفۂ سوم کو حضرت معاویہ کا مشورہ صائب محسوس ہوا، لیکن اس وجہ سے متردد تھے کہ سیدنا عمر اپنے دور خلافت میں اسے رد کر چکے تھے۔حضرت معاویہ کے اصرار پر انھوں نے اجازت دے دی، تاہم شرط رکھی کہ صرف وہی لوگ سمندری فوج میں شامل کیے جائیں جو اپنی مرضی سے آئیں۔حضرت معاویہ نے بحری جہاز تیار کرانے شروع کر دیے تھے، ۲۸ھ میں انھیں توقع سے بڑھ کر رضا کار حاصل ہو گئے تو وہ انھیں لے کر قبرص روانہ ہو گئے۔شام میں مقیم اصحاب رسول میں سے حضرت ابوذر، حضرت ابوالدرداء، حضرت شداد بن اوس اور حضرت عبادہ بن صامت اس لشکر میں شامل ہوئے۔جزیرۂ قبرص رومی کنٹرول میں تھا، لیکن کسی رومی جہاز نے جیش اسلامی کا راستہ نہ روکا۔دشمن کے بے شمار فوجی مارے گئے اور قید ہوئے تو اہل قبرص نے خلافت اسلامی کو سات ہزار دو سو دینار سالانہ جزیہ دینے کا معاہدہ کر کے صلح کر لی۔

ایک جنگ میں حضرت یزید بن ابوسفیان فوج کی کمان کر رہے تھے۔ مال غنیمت تقسیم ہوا تو ایک خوب صورت باندی ایک فوجی کے حصہ میں آئی، لیکن حضرت یزید نے اسے اپنے لیے روک لیا۔ حضرت ابوذر غفاری نے ان سے کہا: باندی اس کے حق دار کو واپس کر دیں۔ حضرت یزید بن ابوسفیان نے پس و پیش کی تو حضرت ابوذر بولے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے، میری سنت کو سب سے پہلے بنو امیہ کا ایک شخص یزید تبدیل کرے گا۔ حضرت یزید نے پوچھا: اللہ کی قسم! کیا میں ان میں شامل ہو جاؤں گا اور باندی واپس کر دی۔

۳۰ھ میں حضرت ابوذر کا حضرت معاویہ سے نزاع ہوا۔ دونوں اصحاب شام میں مقیم تھے۔ حضرت معاویہ کے دل میں رنجش کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک خارجی لیڈر ابن سودا شام آیا۔ حضرت ابوذر سے ملا اور کہا: حضرت معاویہ کہتے ہیں کہ تمام مال اللہ کا ہے اور ہر شے اللہ کی ہے۔ مال کو مسلمانوں سے منسوب نہ کر کے کیا وہ مسلمانوں کا حق ملکیت ختم نہ کر دیں گے؟ اس پر حضرت ابوذر حضرت معاویہ سے ملے اور پوچھا: کیا وجہ ہے کہ آپ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال قرار دیتے ہیں؟ حضرت معاویہ نے کہا: ابوذر، اللہ آپ پر رحم کرے، کیا ہم اللہ کے بندے نہیں؟ لہٰذا مال اسی کا ہوا اور حکم اسی کا۔ حضرت ابوذر نے اصرار کیا کہ آپ ایسا نہ کہیں، تب حضرت معاویہ نے وعدہ کیا کہ وہ مال مسلمین کہا کریں گے۔ ابن سودا پھر ابوالدرداء کے پاس آیا اور کہا: تو تو یہودی لگتا ہے۔ وہ حضرت عبادہ بن صامت کے ہاں گیا تو وہ اسے پکڑ کر حضرت معاویہ کے پاس لے آئے اور کہا: اسی نے حضرت ابوذر کو آپ کے پاس بھیجا تھا۔ پھر حضرت ابوذر نے معمول بنا لیا کہ جگہ جگہ شام کے لوگوں کو اکٹھا کرتے اور یہ وعظ کرتے کہ او دولت مندو، اپنے مال سے فقرا کی حالت سنوارو۔ وہ یہ فرمان الٰہی سناتے: ’اَلَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ‘، ’’جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو‘‘ (التوبہ ۹: ۳۴)۔ حضرت معاویہ کہتے کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ حضرت ابوذر اصرار کرتے کہ ہمارے اور اہل کتاب، دونوں کے بارے میں ہے (بخاری، رقم ۱۴۰۶)۔ اس لیے کسی مسلمان کو ایک دن اور رات کے خرچ سے بڑھ کر مال اپنے پاس نہ رکھنا چاہیے، زائد مال صدقہ کرنا اس کے لیے واجب ہے۔ غریب مسلمان ان کی باتوں سے متاثر ہو کر امرا کی دولت کو اپنا حق سمجھنے لگے اور امرا کو ان سے شکایتیں ہونے لگیں تو حضرت معاویہ نے حضرت ابوذر کو ان سرگرمیوں سے روکا، لیکن وہ منع نہ ہوئے۔ انھوں نے عوام کو بھی حضرت ابوذر کے پاس بیٹھنے سے منع کر دیا، حتیٰ کہ حضرت احنف بن قیس شام کی مسجد میں گئے تو دیکھا کہ حضرت ابوذر جہاں نماز پڑھتے، لوگ وہاں سے پرے ہٹ جاتے۔ ایک بار حضرت معاویہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نے ان کو آزمایا۔ انھوں نے رات ہونے سے پہلے ایک ہزار دینار حضرت ابوذر کو بھیجے۔ حضرت ابوذر نے سنبھالنے کے بجاے ترت بانٹ دیے۔ فجر کی نماز پڑھاتے ہی حضرت معاویہ نے دینار پہنچانے والے شخص کو دوبارہ حضرت ابوذر کے پاس بھیجا۔ اس نے آکر کہا: مجھے حضرت معاویہ کی سزا سے نجات دلائیں۔ انھوں نے دینار کسی اور کو بھیجے تھے، میں غلطی سے آپ کو دے گیا۔ حضرت ابوذر نے بتایا: بیٹا، وہ دینار تو میرے پاس رہے نہیں۔ مجھے تین دن کی مہلت دو، میں اکٹھا کر کے تمھیں لوٹا دوں گا۔ حضرت معاویہ نے دیکھا کہ حضرت ابوذر کا فعل ان کے قول کی تائید کر رہا ہے تو تمام حالات سیدنا عثمان کو لکھ بھیجے اور کہا: ابوذر نے مجھے سخت مشکل میں ڈال دیا ہے۔ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ فتنے نے ناک منہ نکال لیا ہے اور اب کودنے کو ہے۔ زخم نہ کریدو اور ابوذر کو میرے پاس بھیج دو۔

حضرت ابوذر مدینہ پہنچے اور کوہ سلع کے دامن میں لوگوں کی مجلسیں دیکھیں تو کہا: مدینہ والوں کو ایک بڑی شورش اور ہول ناک جنگ مبارک ہو۔ حضرت عثمان سے ملے تو انھوں نے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ باشندگان شام آپ کی زبان زوری کی شکایت کرتے ہیں؟ حضرت ابوذر نے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا تو سیدنا عثمان گویا ہوئے: ابوذر، میں اپنے بارے میں جو چاہوں فیصلہ کر سکتا ہوں، رعایا کو اجتہاد اور میانہ روی کی دعوت دے سکتا ہوں، لیکن یہ نہیں کر سکتا کہ انھیں زہد اختیار کرنے پر مجبور کروں۔ تب حضرت ابوذر نے کہا: مجھے مدینہ سے باہر جانے کی اجازت دیجیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا: ''جب آبادی کوہ سلع تک بڑھ جائے تو تم مدینہ سے چلے جانا۔'' سیدنا عثمان کے ہاں کہنے پر وہ مدینہ سے تین ایام کی مسافت پر واقع بستی ربذہ میں آ گئے اور ایک مسجد تعمیر کر کے وہاں رہنے لگے۔ کسی معترض کے جواب میں انھوں نے کہا: عثمان اگر مجھے حکم دیتے کہ سر کے بل چل کر جاؤں تو بھی چلا جاتا۔ حضرت عثمان نے روزانہ خرچ مقرر کرنے کے علاوہ انھیں کچھ اونٹ اور خدمت کے لیے دو غلام دیے۔ لوگ کہتے کہ سیدنا عثمان نے آپ کو مدینہ سے نکال کر اچھا نہیں کیا تو کہتے: سلطان کی تذلیل نہ کرو جو سلطان کی ذلت کرنا چاہے، اس کی توبہ بھی قبول نہ ہو گی۔ اس انکساری کے باوجود حضرت معاویہ اور حضرت عثمان سے ان کا نزاع شیعہ مورخین کو خوب بھایا، انھوں نے حضرت ابوذر کی جلاوطنی کو اپنی خواہشات کے مطابق دوسرا رنگ دے دیا۔ یہ روایت یعقوبی کے تفردات میں سے ہے، حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت عمار بن یاسر حضرت ابوذر کو رخصت کرنے آئے۔ حضرت ابوذر سیدنا علی کو دیکھ کر رو پڑے، حضرت علی کچھ کہنے لگے تو حضرت مروان نے یہ کہہ کر منع کرنا چاہا کہ امیر المومنین نے ان سے بات کرنا منع کیا ہے۔ حضرت علی نے اسے دھتکار دیا اور حضرت ابوذر کو گرم جوشی سے الوداع کہا۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ جس برے طریقے سے حضرت ابوذر کو مدینے سے نکالا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

گیا، اسے بیان کرنا موزوں نہیں۔ اس صورت میں ہمیں سیدنا عثمان کی طرف سے عذرخواہی کرنا ہوگی، کیونکہ اپنی رعایا کی تربیت کرنا حاکم کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

ربذہ کے محصولات اکٹھا کرنے کے لیے ایک سیاہ فام غلام مجاشع مقرر تھا۔ نماز کا وقت ہوا تو اس نے حضرت ابوذر کو آگے ہونے کو کہا۔ انھوں نے اسے ہی نماز پڑھانے کو کہا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا: سمع و طاعت کرو، چاہے (نک کٹا) حبشی تمھارا حاکم بن جائے جس کا سر کشمش کے دانے کی طرح چھوٹا ہو (بخاری، رقم ۶۹۶۔ مسلم، رقم ۴۷۸۳)۔

حضرت سلمہ بن نباتہ بتاتے ہیں کہ ہم عمرہ کی نیت سے نکلے۔ ربذہ پہنچے تو حضرت ابوذر کے ہاں آئے، وہ گھر میں نہ تھے۔ لوٹے تو غلام اونٹ کی ہڈی اٹھائے ان کے ساتھ تھا۔ بتایا کہ یہ میری اور میرے کنبے کی ایک دن کی خوراک ہے۔

حضرت ابوذر اس اندیشے سے کہ پھر سے بدو نہ بن جائیں، مدینہ آتے جاتے رہتے۔ ایک بار وہ سیدنا عثمان سے ملنے آئے تو حضرت کعب احبار بھی ان کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت ابوذر سیدنا عثمان سے مخاطب ہوئے کہ آپ اغنیا سے اس وقت تک راضی نہ ہوں جب تک وہ اپنے پڑوسیوں اور اعزہ واقارب سے حسن سلوک نہ کر لیں۔ حضرت عثمان نے کعب سے پوچھا: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کافی مال چھوڑ کر فوت ہوئے ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟ حضرت کعب نے کہا: جس شخص نے فرض ادا کیا، یعنی زکوٰۃ دے دی، اپنی ذمہ داری پوری کر لی۔ حضرت ابوذر نے سونٹا پکڑا اور طیش میں آ کر حضرت کعب کا سر پھاڑ ڈالا اور کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مجھ سے فرمایا تھا: ''ابوذر، کیا تم احد کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ مجھے گمان ہوا کہ آپ مجھے کسی کام سے بھیجیں گے۔ فرمایا: میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو، میں سارے کا سارا خرچ کر ڈالوں اور تین دینار بھی بچ جائیں'' (بخاری، رقم ۱۴۰۸۔ احمد، رقم ۴۵۳)۔ دوسری روایت ہے کہ ''ہاں ایک دینار رہے تو میں اسے قرض ادا کرنے کے لیے استعمال کر لوں'' (بخاری، رقم ۲۳۸۸)۔ سیدنا عثمان نے اس فرمان کی تصدیق کی، حضرت کعب سے سر پھٹنے کی معافی چاہی اور حضرت ابوذر سے کہا: اللہ سے ڈرو اور اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔

حضرت ابوذر ربذہ اکیلے ہی گئے تھے۔ حضرت معاویہ نے حضرت ابوذر کے اہل خانہ کو بعد میں ان کے پاس بھیجا۔ وقت رخصت ایک بھاری تھیلا ان کے پاس تھا۔ اسے دیکھ کر حضرت معاویہ بولے: دیکھو دنیا سے بے رغبتی رکھنے والے کے پاس کیا ہے۔ ان کی اہلیہ نے جواب دیا: بخدا، یہ درہم و دینار نہیں، کچھ سکے ہیں جو حضرت ابوذر نے ہماری ضرورتوں کے لیے بھنا رکھے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت ابوذر غفاری سیدنا علی کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے، اسی لیے خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر کی بیعت میں تاخیر کی۔ یعقوبی نے اپنی مختصر تاریخ میں ان کا بلیغ خطبہ نقل کیا ہے جس میں انھوں نے سیدنا علی کو وصی رسول قرار دیا۔ طبری، ابن کثیر اور جمہور مورخین کی مطول تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رضوان اللہ

بعد از موت

(۸)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دنیا کی جیلوں میں کم سے کم انسان کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کا اہتمام ضرور کیا جاتا ہے۔ دوزخ وہ جگہ ہو گی کہ اس میں ان کا اہتمام کیا جانا تو بہت دور کی بات، ان ضرورتوں اور ان کے لوازمات کو وہاں بذات خود سزا بنا دیا جائے گا۔ کھانے کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ وہ جھاڑ کانٹوں، زخموں کے دھووَن اور زہریلے زقّوم پر مشتمل ہو گا۔ اس میں تلخی اور کڑواہٹ اتنی زیادہ ہو گی جیسے کوئی تیل کے تلچھٹ کو حلق سے اتارنا چاہے اور یہ اپنی حدت اور جوش میں اس قدر بڑھا ہو گا جیسے کھولتا ہوا پانی کسی کے منہ میں انڈیل دیا جائے۔ مجرمین اس کو کھانا چاہیں گے اور یہ ان کے گلے میں اٹک کر رہ جائے گا۔ کھانا اس لیے کھایا جاتا ہے کہ اس سے بھوک کا مداوا ہو اور جسم میں کچھ توانائی آئے، مگر جہنم کے کھانے کی ''تاثیر'' صرف یہ ہو گی کہ کھانے والا اس کو کھائے گا اور یہ اُسے طاقت دے سکے گا اور نہ اس کی آتشِ پیٹ کو بجھا پائے گا:

وَ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ. (الحآقہ ۶۹: ۳۶)

''اور دھووَن کے سوا (اس کے لیے) کوئی کھانا نہیں ہے۔''

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ، طَعَامُ الْاَثِيْمِ، كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ، كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ. (الدخان ۴۴: ۴۳-۴۶)

''زقوم کا درخت گناہ گاروں کا کھانا ہو گا، تیل کے تلچھٹ کی طرح، پیٹ میں کھولے گا جس طرح گرم پانی کھولتا ہے۔''

اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّ جَحِیۡمًا، وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّ عَذَابًا اَلِیۡمًا. (المزمل ۷۳: ۱۲-۱۳)

’’(اِن کے لیے) ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر ہے اور گلے میں پھنستا ہوا کھانا ہے، اور بہت دردناک عذاب بھی۔‘‘

لَیۡسَ لَہُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِیۡعٍ، لَّا یُسۡمِنُ وَ لَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ. (الغاشیہ ۸۸: ۶-۷)

’’اُن کے لیے جھاڑ کانٹوں کے سوا کوئی کھانا نہ ہو گا جو نہ توانا کرے گا، نہ بھوک مٹائے گا۔‘‘

دوزخیوں کو پینے کے لیے جو کچھ ملے گا، قرآن میں اس کا بھی بیان ہوا ہے۔ فرمایا ہے کہ وہاں گرم کھولتے ہوئے پانی کا ایک چشمہ ہو گا جو اس حد تک گرم ہو گا جیسے پگھلا ہوا تانبا ہو۔ یہ لوگ گرمی اور پیاس سے بدحال ہو کر جب پانی طلب کریں گے تو ان کو اسی میں سے پلایا جائے گا۔ یہ اس کو منہ کے قریب لائیں گے تو اس کی حدت اتنی زیادہ ہو گی کہ ان کے چہرے جھلس کر رہ جائیں گے۔ لیکن اس حد تک گرم ہونے کے باوجود یہ اسے ہی پئیں گے اور اس طرح غٹا غٹ پئیں گے، جس طرح تونس کی بیماری میں مبتلا کوئی اونٹ ہو جو پیتا چلا جائے اور پیاس ہو کہ بجھنے کا نام نہ لے۔ اس کا فائدہ ہو گا تو بس یہی کہ اس کے اثر سے ان کی انتڑیاں تک پھٹ جائیں گی۔ اس کے علاوہ وہاں انھیں زخموں اور ناسوروں سے رِستا ہوا گندا مواد پینے کو دیا جائے گا۔ پیاس کی حالت میں یہ کوشش کریں گے کہ اس لہو ملی ہوئی پیپ ہی کو گھونٹ گھونٹ پی لیں، مگر یہ مکروہ شکل اور متعفن ہونے کی وجہ سے ان کے حلق سے نہ اترے گی۔ اور سزا بالاے سزا یہ ہو گی کہ کھولتا ہوا پانی ان کے اوپر گرا کر ان کی سزا کو مزید تکلیف دہ بنا دیا جائے گا:

تُسۡقٰی مِنۡ عَیۡنٍ اٰنِیَۃٍ. (الغاشیہ ۸۸: ۵)

’’اُنھیں ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔‘‘

وَ اِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُہۡلِ یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ، بِئۡسَ الشَّرَابُ، وَ سَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا. (الکہف ۱۸: ۲۹)

’’اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو گا۔ وہ چہروں کو بھون ڈالے گا۔ کیا ہی برا پانی ہو گا اور کیا ہی برا ٹھکانا!‘‘

وَ سُقُوۡا مَآءً حَمِیۡمًا فَقَطَّعَ اَمۡعَآءَہُمۡ. (محمد ۴۷: ۱۵)

’’ان کو گرم پانی پلایا جائے گا تو وہ ان کی آنتوں کو ٹکڑے کر کے رکھ دے گا۔‘‘

فَشٰرِبُوۡنَ عَلَیۡہِ مِنَ الۡحَمِیۡمِ، فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡہِیۡمِ. (الواقعہ ۵۶: ۵۴-۵۵)

’’پھر اس (زقوم کے کھانے) پر کھولتا ہوا پانی پیو گے تو تونس لگے اونٹوں کی طرح پیو گے۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لَا يَذُوۡقُوۡنَ فِيۡهَا بَرۡدًا وَّلَا شَرَابًا، اِلَّا حَمِيۡمًا وَّغَسَّاقًا. (النبا۷۸:۲۴-۲۵)

''نہ اس میں ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے، نہ گرم پانی اور بہتی پیپ کے سوا پینے کی کوئی چیز ان کے لیے ہو گی۔''

مِنۡ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسۡقٰى مِنۡ مَّآءٍ صَدِيۡدٍ، يَتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيۡغُهٗ. (ابراہیم۱۴:۱۶-۱۷)

''اب اس کے آگے دوزخ ہے۔ وہاں اس کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ وہ اس کو گھونٹ گھونٹ پیے گا اور گلے سے اتار نہ سکے گا۔''

يُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِيۡمُ، يُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِيۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَالۡجُلُوۡدُ. (الحج۲۲:۱۹-۲۰)

''ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔ ان کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے، سب اس سے پگھل جائے گا اور (اوپر سے) ان کی کھالیں بھی۔''

وہاں کا پہناوا بھی اپنی ذات میں سراسر عذاب ہوگا۔ یہ آہنی طوق اور ستر گز لمبی زنجیروں میں تو پہلے سے جکڑے ہوں گے اوپر سے آگ کا ایک لباس بھی انھیں پہنا دیا جائے گا۔ دنیا میں آگ سے محفوظ رہنے والے لباس تیار کیے جاتے ہیں، اس کے برخلاف وہاں ان پر آتش گیر مادہ لگا ہوگا جو لپک لپک کر آگ کو پکڑے گا:

فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِيَابٌ مِّنۡ نَّارٍ. (الحج۲۲:۱۹)

''سو جنھوں نے انکار کر دیا ہے، ان کے لیے آگ کے کپڑے تراشے جائیں گے۔''

سَرَابِيۡلُهُمۡ مِّنۡ قَطِرَانٍ. (ابراہیم۱۴:۵۰)

''ان کے لباس تارکول کے ہوں گے۔''

یہ تو ان بدنصیبوں کے روٹی اور کپڑے کا حال ہوا، ان کے رہنے کا معاملہ اس سے بھی بدتر ہوگا۔ ان کی بیرکیں کیا ہوں گی، تنگ و تاریک کوٹھڑیاں ہوں گی جن میں انھیں باندھ کر ٹھونس دیا جائے گا۔ بعض مجرم ایسے ہوں گے کہ انھیں ان تنگ جگہوں میں ڈال دینے پر اکتفا نہ ہوگا، بلکہ وہ لمبے لمبے ستونوں سے بھی باندھ دیے جائیں گے اور نتیجہ یہ کہ ہلنے جلنے سے بھی معذور رہوں گے۔ ان کے بچھونے آگ سے بنے ہوں گے اور آگ ہی کے بالاپوش ان کے اوپر رہوں گے۔ گویا ان کے دن اگر عذاب سہتے گزریں گے تو راتیں بھی آرام دہ ہونے کے بجائے انتہائی کرب ناک انداز میں گزریں گی:

وَاِذَآ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيۡنَ.... (الفرقان۲۵:۱۳)

''اور جب اس کی کسی تنگ جگہ میں باندھ کر ڈال دیے جائیں گے....''

فِيۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ. (الہمزہ۱۰۴:۹)

''اونچے ستونوں میں (جکڑ کر باندھے ہوئے)۔''

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ، وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ. (الاعراف ۷:۴۱) ''اُن کے لیے دوزخ کا بچھونا اور اوپر سے اُسی کا اوڑھنا ہوگا۔''

جہنم کی آگ کس طرح کی ہوگی، بیان ہوا ہے کہ وہ اتنی بڑی اور بھیانک ہوگی کہ کسی محل جتنے اونچے اور زرد رنگ کے اونٹوں جیسے شعلے پھینک رہی ہوگی۔ اس میں گرمی اس انتہا کی ہوگی کہ دور ہی سے چہروں کو جھلس دے گی اور کھالوں کو ادھیڑ کر رکھ دے گی۔ اس میں کسی کمی کا امکان نہ ہوگا اور اگر کہیں دھیمی ہونے لگے گی تو اس کو مزید بھڑکا دیا جائے گا۔ مجرموں کو اس میں ڈال کر اسے اینٹوں کے بھٹے کی طرح اوپر سے ڈھانک بھی دیا جائے گا تاکہ اس کی حدت باہر نہ نکلنے پائے اور یہ ساری کی ساری ان کو جلانے میں خرچ ہو۔ یہاں کی آگ تو ہم دیکھتے ہیں کہ صرف جلاتی ہے، مگر وہاں کی آگ میں یہ عجیب اثر ہوگا کہ وہ جلانے کے ساتھ ساتھ جسموں کے اندر گھس کر دلوں تک بھی جا پہنچے گی:

اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ، كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ. (المرسلٰت ۷۷:۳۲-۳۳) ''وہ (آگ) محلوں جیسے انگارے پھینکتی ہے، زرد اونٹوں کی طرح۔''

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سَقَرُ، لَا تُبْقِىْ وَلَا تَذَرُ، لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ. (المدثر ۷۴:۲۷-۲۹) ''اور تم کیا سمجھے کہ دوزخ کیا ہے؟ وہ نہ ترس کھائے گی، نہ چھوڑے گی۔ چمڑی جھلس دینے والی۔''

كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا. (بنی اسرائیل ۱۷:۹۷) ''جب کبھی آگ دھیمی ہونے لگے گی، ہم اس کو ان پر مزید بھڑکا دیں گے۔''

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ. (الھمزہ ۱۰۴:۸) ''یہ (سرکش) اُس میں موندے ہوئے ہوں گے۔''

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ. (الھمزہ ۱۰۴:۶-۷) ''اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جو دلوں تک پہنچے گی۔''

اس آگ کا دھواں دوزخ میں ہر طرف پھیلا ہوا ہوگا۔ کوئی سوچ سکتا ہے کہ دوزخ کی گرمی میں یہ دھواں ہی غنیمت ہوگا جو کم سے کم سایہ تو فراہم کرے گا، مگر قرآن نے وضاحت کی ہے کہ اس میں دھوئیں کے تکلیف دہ پہلو تو سبھی موجود ہوں گے اور فائدہ کچھ بھی نہ ہوگا:

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ، مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ! فِىْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ، وَظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ. (الواقعہ ۵۶:۴۱-۴۳) ''اور بائیں والے تو کیا بدبختی ہے بائیں والوں کی! وہ لو کی لپٹ اور کھولتے پانی اور دھوئیں کے سایے میں ہوں گے۔''

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ، اِنْطَلِقُوْٓا ''اب چلو اس چیز کی طرف جس کو تم جھٹلاتے رہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ. (المرسلٰت ۷۷: ۲۹-۳۰)

چلو اس سایے کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں، (تم کو ہر طرف سے گھیرنے کے لیے)۔''

لَا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ. (الواقعہ ۵۶: ۴۴)

''اس (دھوئیں کے سایے) میں نہ ٹھنڈک ہوگی، نہ وہ کوئی فائدہ پہنچائے گا۔''

لَا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّھَبِ. (المرسلٰت ۷۷: ۳۱)

''اس میں نہ چھاؤں ہے، نہ یہ آگ کے شعلوں سے بچاتا ہے۔''

اس آگ اور دھوئیں کے عذاب میں جلانے کا انداز بھی بہت زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔ جس طرح کوڑے کرکٹ کا پہلے ڈھیر بناتے اور پھر اسے جلاتے ہیں تاکہ اس کا ہر جز دوسرے کو جلانے میں مددگار رہو، اسی طرح مجرموں کو وہاں ایک دوسرے پر ڈھیر بنا کر پھر آگ میں جھونکا جائے گا۔ لیکن اس طرح آگ کے حوالے کر دینا ان کی سزا کا انتہائی درجہ ہوتا تب بھی کچھ غنیمت تھی، مگر وہاں تو ان کی سزا میں ہر پل شدت لائی جاتی رہے گی۔ جس طرح کباب بناتے ہوئے سیخ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر مسلسل گھمایا جاتا ہے تاکہ کباب کا ہر حصہ ان کے سامنے آکر پک جائے، دوزخ میں ان کے چہروں کو آگ پر اسی طرح گھمایا جائے گا۔ ان کی شکلیں مسخ ہو کر ایسی ہو جائیں گی جیسے جانور کی سری کو آگ پر بھونا جائے تو اس کے ہونٹ سکڑ کر اوپر کو چڑھ جاتے اور دانت نظر آنے لگتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَھَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ، لِیَمِیْزَ اللّٰہُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَہٗ عَلٰی بَعْضٍ فَیَرْکُمَہٗ جَمِیْعًا فَیَجْعَلَہٗ فِیْ جَھَنَّمَ. (الانفال ۸: ۳۶-۳۷)

''اور سب منکروں کو جمع کر کے جہنم کی طرف ہانک دیا جائے گا۔ اس لیے کہ (اپنی جنت کے لیے) اللہ پاک سے ناپاک کو الگ کرے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر ڈھیر کرے، پھر اس ڈھیر کو جہنم میں جھونک دے۔''

یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا. (الاحزاب ۳۳: ۶۶)

''اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے۔ وہ کہیں گے: اے کاش، ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔''

تَلْفَحُ وُجُوْھَھُمُ النَّارُ وَھُمْ فِیْھَا کٰلِحُوْنَ. (المومنون ۲۳: ۱۰۴)

''ان کے چہروں کو آگ جھلس دے گی اور ان کے منہ اس میں بگڑے ہوئے ہوں گے۔''

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر خالد ظہیر
ترجمہ: رانا معظم صفدر

شہید کی تعریف

[یہ ڈاکٹر خالد ظہیر کے انگریزی مضمون ''Definition of a Shaheed'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ مضمون ۲۲ نومبر ۲۰۱۳ء کو انگریزی روزنامہ ''ڈان'' میں شائع ہوا تھا۔ رانا معظم صفدر نے اسے انگریزی سے اردو میں منتقل کیا ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

'شہید' کے لفظ کا استعمال برصغیر، بالخصوص پاکستان میں بہت عام ہے۔ جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے ایسی موت مراد ہوتی ہے جو کسی حادثے کے نتیجے میں یا کسی نیک مقصد کی جدوجہد میں آجائے۔ دین کی حفاظت و سربلندی میں دشمن کے خلاف جنگ وجدال اور حق وانصاف کے لیے اٹھ کھڑا ہونا نیک مقصد کی نمایاں مثالیں ہیں۔

ہمارے ہاں اس لفظ کا استعمال عام ہے۔ بعض اوقات اس میں اختلاف کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے اور نوبت یہاں تک آ جاتی ہے کہ ایک فرد کو کچھ لوگ شہید قرار دے رہے ہوتے ہیں تو کچھ دوسرے لوگ اس کا انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی صورت حال میں یہ سوال زیر بحث آ جاتا ہے کہ لفظ 'شہید' کی تعریف کیا ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اس کو دیکھا جائے کہ اس لفظ کی اصل میں کیا حقیقت ہے اور ہمارے مذہب میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

قرآن مجید میں یہ لفظ اپنی مختلف صورتوں میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ اس ضمن میں مخاطب کا لحاظ کرتے ہوئے 'شَاهِد'، 'شَهِيد'، اور 'شُهَدَآء' کے الفاظ اختیار کیے گئے ہیں۔ سورۂ فتح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا. (۴۸:۸)

''بے شک، ہم نے تم کو گواہی دینے والا، خوش خبری پہنچانے والا اور آگاہ کر دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں، یعنی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے یہی لفظ اختیار کیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (۲:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک بیچ کی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔''

اسی طرح متعدد مقامات پر پوری امت کو مخاطب کرتے ہوئے بھی اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ. (۴:۱۳۵)

''اے ایمان والو، حق پر جمے رہو اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے۔''

درج بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لفظ اُس فرد یا گروہ کے لیے استعمال ہوا ہے جو اللہ اور اس کے دین کا گواہ ہے۔ یعنی قرآن میں یہ لفظ بطور اصطلاح اُس فرد یا گروہ کے لیے بولا جاتا ہے جو اللہ کے دین کو بخوبی سمجھتا ہو اور اس سے نہ صرف پوری طرح آگاہ ہو، بلکہ اس پر ایسے عمل پیرا ہو کہ دنیا کے باقی لوگ اس کو اللہ کے گواہ کے طور پر دیکھ رہے ہوں۔

ایسا فرد یا گروہ اپنی انفرادی یا اجتماعی حیثیت میں اللہ کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور تمام عمر دین کے عائد کردہ حدود و قیود کا پابند رہتا ہے۔ وہ راہ حق پر ثابت قدم رہتا ہے اور حق بات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے میں معمولی درجے میں بھی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ مزید یہ کہ ایک انسان ہونے کے ناتے وہ اپنے نفس کی پاکیزگی، یعنی تزکیۂ نفس کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے اور ممکن حد تک اس کو اعلیٰ سطح پر قائم رکھنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ ایسے انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کے القاب سے نوازا ہے۔ یہی وہ چار گروہ ہیں جن پر اللہ کی رحمت ہے۔

لفظ 'شہید' کا ایک اور استعمال بھی قرآن مجید میں ملتا ہے۔ سورۂ آل عمران کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو میدان جنگ میں ہونے والی موت کے لیے استعمال کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ

''اور پست ہمت نہ ہو اور غم نہ کرو اگر تم مومن ہو تو تمھی غالب رہو گے۔ اگر تمھیں کوئی چوٹ پہنچے تو اس

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الْقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ. (۱۳۹-۱۴۰)

سے پست ہمت نہ ہو آخر دشمن کو بھی تو اس طرح کی چوٹ پہنچی ہے، یہ ایام اسی طرح ہم لوگوں کے اندر الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تمھارا امتحان کرے اور ممیز کردے ایمان والوں کو اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید بنائے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔''

یہ شہادت، بلاشبہ صدیقین اور صالحین کے درجے جیسا اعلیٰ رتبہ ہے، اور اس شخص کے لیے ہے جو اسلام کے پیش کردہ اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اور اپنے عمل سے اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہر حال میں تیار ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ موت کے بعد شہادت کا درجہ کس کو نصیب ہوگا؟ تو قرآن سے واضح ہے کہ اس کا علم اور اختیار کسی انسان کے پاس نہیں، بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

ہمارے ہاں اس لفظ کا استعمال اپنے اصل اور حقیقی دائرے سے آگے بڑھ چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اس لفظ کو جذباتی معنوں میں استعمال کرتے ہیں تو یہ کچھ اور ہی مفہوم میں آ جاتا ہے۔ اردو حتیٰ کہ ہندی اور بنگالی زبان میں بھی اگر کوئی شخص حالت جنگ میں مارا جائے یا حادثاتی موت کا شکار ہو جائے تو اس کے اکرام کے لیے اس لفظ کا استعمال عام بات ہے۔ اس کا مقصد اس وقت تکلیف اور دکھ کی کیفیت کو کم کرنا اور سوگوار کو تسلی دینا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ خدا کے حضور اس شخص کے لیے یہ درخواست کرنا ہوتا ہے کہ اسے شہید کا رتبہ عنایت فرمائے۔

قرآن مجید کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لفظ 'شہید' کے اس عام استعمال کا اس کے حقیقی مذہبی معنی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ ہم جب کسی مرنے والے کے ساتھ 'شہید' کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمیں اسے ان معنوں میں لینا چاہیے کہ ہم اللہ سے دعا کر رہے ہیں کہ وہ اس مرنے والے پر اپنی رحمت فرمائے اور اسے شہید کا رتبہ عطا کرے۔ لہٰذا ہم کسی کے بارے میں بھی درجۂ شہادت کا حکم نہیں لگا سکتے۔ یہ اللہ کی خاص عنایت ہے اور یہ عنایت کس پر ہوگی، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کریں گے۔

یہاں ایک بات نہایت قابل غور ہے کہ 'شہید' کے لفظ کا مذکورہ استعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا، بلکہ یہ آج کے زمانے میں در آیا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کا استعمال اور اس کا اطلاق بڑھ بھی رہا ہے۔ حالاں کہ دور نبوی کے لوگ بہترین لوگ تھے، ان کی زندگیاں مثالی تھیں اور ان میں سے بہت سے ایسے تھے جنھوں

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

نے فی الواقع شہادت کی موت پائی تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ لفظ شہیدان کے نام کا حصہ نہیں بنا۔ اولین دور کی تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے کہ اس دور کے مسلمانوں کے نام لفظ شہید کے لاحقے اور سابقے کے بغیر ہیں۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

○

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

آئے تو التفات کا پیماں کیے بغیر
اب جا رہے ہیں درد کا درماں کیے بغیر

ہر بوالہوس ہے قیس بھی ، فرہاد بھی یہاں
دشت جنوں میں چاک گریباں کیے بغیر

اب کیا کہیں کہ ہے اُسی کافر ادا کا ساتھ
بنتی نہیں ہے جس کو مسلماں کیے بغیر

خالی تھا مدتوں سے نہاں خانۂ وجود
مہماں بنا لیا اُنھیں مہماں کیے بغیر

اِس کی بھی داد ہے کوئی ، زخم جگر تمام
اُن کو دکھا دیے ہیں نمایاں کیے بغیر

سامان زندگی ہے فراواں ، مگر وہی
آگے رہ حیات کا ساماں کیے بغیر

وہ فن ہی کیا ہوا جسے ظاہر نہ کر سکیں
ہر زاویے سے جسم کو عریاں کیے بغیر

ظلمت کدہ ہے دہر، یہاں روشنی کہاں
اپنے لہو سے بزم چراغاں کیے بغیر

لیلاے علم سے نہیں ممکن کہ ہو وصال
ہر آبلے کو نذر بیاباں کیے بغیر

ہر موجۂ خیال سے ہونے لگا لہو
دل رو بروے دشنۂ مژگاں کیے بغیر

اِس تیرگی میں اب کوئی گرم سفر نہ ہو
ہر رہ گذر پہ شمع فروزاں کیے بغیر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org